اپریل ۲۰۰۵ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

روشن خیالی کا موجودہ تصور

فکرِ اقبال کی روشنی میں

حافظ عاکف سعید

یہ عنوان بظاہر سیمینار کے اصل موضوع ''روشن خیالی کا موجودہ تصور اور اسلام'' سے قدرے مختلف ہے' لیکن حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی ہے۔ اس لیے کہ اسلام جن افکارِ ایمانی اور تعلیماتِ الٰہی کے مجموعے کا نام ہے' دورِ حاضر میں اس کی صحیح ترین تعبیر اور وضاحت کا شرف اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال کو عطا فرمایا ـــــ انہوں نے اپنے لازوال شاعرانہ کلام کے ذریعے تعلیماتِ قرآنی کو عام کیا اور روحِ دین کو از سرِ نو اجاگر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے کلام کو جو پذیرائی برعظیم پاک و ہند ہی میں نہیں پورے عالم اسلام میں حاصل ہوئی اس کی کوئی دوسری مثال ماضی قریب کی تاریخ سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ اقبال کی شاعری مقصدی شاعری تھی۔ انہوں نے شعروشاعری کو محض پیغام رسانی کا ذریعہ بنایا۔ ان کے اشعار میں قرآن کی ملکوتی نغمگی پوشیدہ ہے جس کے ذریعے وہ اُمت کی نشأۃِ ثانیہ کا عزم لے کر اٹھے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

نغمہ کجا و من کجا ساز و سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

اور اس بات پر فریاد کناں تھے کہ لوگوں نے انہیں محض ایک غزل خواں اور شاعر سمجھا ؎

من اے میرِ امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزلخوانے شمردند!

آگے بڑھنے سے قبل ایک وضاحت کرتا چلوں ـــــ اور وہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\.ms28-03.inp 8/22/2014 2:56 PM PAGE 1 (1,1)

یہاں ہمارے درمیان ایک نہایت محترم شخصیت بھی موجود ہے‘ یعنی پسرِ اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال——اور وہ یہ کہ بلند ترین ایمانی و توحیدی حقائق اور تعلیماتِ قرآنی کا اصل اظہار اقبال کے شاعرانہ کلام میں ہے۔ ان کے وہ فلسفیانہ افکار جو ایک جدید علم کلام کی تدوین کی کوشش کا مظہر تھے اور جو اَب Reconstruction of Religious Thought in Islam کے عنوان سے کتابی صورت میں دستیاب ہیں‘ ان کی نوعیت مختلف ہے۔ وہ دراصل افکارِ اسلامی کی کلامی انداز میں تدوین کی ایک کوشش تھی‘ جس کے آغاز میں خود اقبال نے واضح فرمایا کہ یہ اس سلسلے کی ایک ابتدائی کوشش ہے اور اِن میں سے کوئی بات حرفِ آخر کا درجہ نہیں رکھتی‘ وقت گزرنے کے ساتھ اس سے بہتر خیالات سامنے آئیں گے۔

ظاہر بات ہے کہ کلامی مباحث صحت کلام کے لیے فلاسفہ کے معین کردہ محدود منطقی پیمانوں کے پابند ہوتے ہیں۔ وہاں دلِ وجود کو چیر جانے والی نگاہِ تیز کوئی وقعت نہیں رکھتی‘ بلکہ وہاں انہی پائے استدلالیاں پر انحصار کرنا پڑتا ہے جن کے سخت بے تمکین ہونے کا فیصلہ مولانا روم صدیوں قبل صادر فرما چکے ہیں۔

چنانچہ تعلیماتِ دینی اور افکارِ قرآنی کی تعبیر کے ضمن میں اصل حجت اقبال کے شاعرانہ کلام کو حاصل ہے‘ ان کی کلامی نثر کو نہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ انہوں نے اپنے کلام میں سوائے افکارِ تعلیماتِ قرآنی کے اور کچھ پیش نہیں کیا۔ وہ اس بارے میں اتنے پُراعتماد تھے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مناجات میں یہ دعویٰ کرنے کے بعد کہ انہوں نے اپنے کلام میں صرف قرآن ہی کو پیش کیا ہے‘ اپنے لیے بددعا کی ہے کہ اے پروردگار! اگر میں نے اپنے کلام کے ذریعے قرآن کے سوا کچھ بھی پیش کیا ہو تو میرے ناموسِ فکری کی دھجیاں بکھیر دے اور مجھے روزِ محشر خوار و رسوا کر دیجیو اور مجھے رحمۃ للعالمین ﷺ کے قدموں کا بوسہ لینے کے شرف سے محروم کر دیجیے گا۔ ؎

گر دلم آئینۂ بے جوہر است
ور بحرفم غیرِ قرآں مضمر است
پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن
ایں خیاباں را ز خارم پاک کن!
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا!

یہی سبب ہے کہ میں نے آج کے اس سیمینار میں روشن خیالی کے موجودہ تصور کی چھان پھٹک کے لیے اسلام کے اس تصور کو معیار ٹھہرایا ہے جو حکیم الاُمت‘ مفکر و مصور پاکستان اور دورِ حاضر کے عظیم ترین ترجمانِ قرآن علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے مسلمانوں کے سامنے اجاگر کیا ہے۔

فکرِ اقبال کو بنیاد بنانے کا ایک اضافی سبب یہ بھی ہے کہ خوش قسمتی سے نام نہاد روشن خیالی کی اس تازہ لہر کو promote کرنے والے ہمارے صدرِ پاکستان اور ان کے حواری‘ جو ''Enlightened Moderate Islam'' کی رٹ لگاتے نہیں تھکتے‘ اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ وہ علامہ اقبال اور قائداعظم کے افکار پر مشتمل تصورِ اسلام کو اس ملک میں رائج کرنا چاہتے ہیں ـــــ چنانچہ ہمارے لیے یہ بڑی سہولت کی بات ہے کہ روشن خیالی کے حکومتی مغربی تصور کے مقابلے میں اسلام کے حقیقی تصور کی وضاحت کے لیے فکرِ اقبال کو پیش کر کے ہم احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا فریضہ ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ فکرِ اقبال مشرف صاحب کے جدید تصورِ اسلام کی دھجیاں بکھیرنے کے لیے کافی ہے۔

میرے نزدیک علامہ اقبال دورِ حاضر کے عظیم ترین روشن خیال انسان تھے۔ ان کے ذہن و قلب انوارِ قرآنی کی جگمگاہٹ سے منور تھے۔ ان کے افکار میں مصابیحِ قرآنی کی تابناکی اور محبت و عشقِ رسول ﷺ کی بھڑکتی ہوئی چنگاریاں صاف محسوس کی جا سکتی ہیں۔ حقیقی روشن خیالی نورِ قرآنی اور نورِ مصطفیٰ ﷺ سے ہی عبارت ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ جہالت کی تاریکیاں اور ضلالت کے اندھیارے ہیں۔

اس قدرے طویل لیکن ضروری تمہید کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

جس روشن خیالی کا آج چرچا ہے اور جس کی تانیں آج اڑائی جا رہی ہیں‘ اس سے مراد کیا ہے‘ اور اس کی معین الفاظ میں تعریف (Definition) کیا ہے؟ میرا گمان ہے کہ اس سے صدر مشرف سمیت وہ تمام لوگ بھی واقف نہیں ہیں جو اس قوال پارٹی میں ان کے ہمنوا ہیں۔ اسی طرح جس مذہبی انتہا پسندی کی وہ سختی سے مخالفت کرتے ہیں اور جس کے خلاف محاذ آراء ہیں اس کی حقیقی حدود کون سی ہیں‘ انتہا پسندی کی سرحد کہاں سے شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے‘ اس کا کوئی واضح تصور بھی وہاں نظر نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ روشن خیالی کا پرچار کرنے والوں کا اس معاملے میں مبلغ علم اس ''وحی'' تک محدود ہے جو آسمانِ امریکہ سے حکم کی صورت میں اُن پر نازل ہوتی ہے اور وہ کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر ''His Master's Voice'' کا رول پلے کرتے ہوئے اس کا پرچار شروع کر دیتے ہیں۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\.ma28-03.inp 8/22/2014 2:56 PM PAGE 2 (1,1)

ظاہر بات ہے کہ آسمانِ امریکہ سے جس روشن خیالی اور اعتدال پسند اسلام کا حکم صادر کیا جا رہا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے مغربی آقاؤں کی شدید خواہش ہے کہ اسی مغربی تہذیب اور آزادیٔ فکر و عمل کو عالمِ اسلام اور مسلمانانِ پاکستان اختیار کر لیں جس نے ان کی معاشرتی اقدار کو تلپٹ کر کے رکھ دیا ہے' جس نے ان کے خاندانی نظام کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے' جس میں عورت کو ایک قابل احترام اور آبگینوں کی طرح حفاظت کے ساتھ مستور رکھی جانے والی مخلوق کا درجہ دینے کی بجائے دربدر ٹھوکریں کھانے والی شمعِ محفل اور ذریعہ تشہیر و تجارت جنس بنا کر رکھ دیا گیا ہے' جس میں آزادیٔ نسواں کے دلفریب عنوان کی آڑ میں عورت کی تذلیل اور گھٹیا نمائش مقصود ہے اور اُسے گھرداری کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ حصولِ معاش کی ذمہ داری کے بوجھ تلے بھی دبا دیا گیا ہے۔ مغربی تہذیب دراصل نوعِ انسانی کو شرم و حیا اور عفت و عصمت کے پاکیزہ تصورات سے بیگانہ کر کے انہیں ایک سوشل حیوان بنانے کی تہذیب ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو ہرگز غلط نہ ہوگا کہ اس مادر پدر آزاد' بے حیا تہذیب کا فروغ دراصل شیطانِ لعین کی ابن آدم کے خلاف سب سے بڑی فتح کا مظہر ہے۔ انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کرنا اور حیوانوں کی صف میں لا کھڑا کرنا اُس کا وہ دیرینہ خواب تھا جو اُس نے جوشِ انتقام میں دیکھا تھا' جب آدم کو سجدہ نہ کرنے کی پاداش میں اسے راندۂ درگاہ قرار دیا گیا تھا۔

اقبال نے اس مغربی تہذیب کے باطن میں جھانک کر اس کی اصل حقیقت کو پہچان لیا تھا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مَدَنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

سائنسی ترقی کی یہ شعبدہ بازی ہے کہ اس بے روح اور متعفن تہذیب کا ظاہر بہت روشن اور تابناک نظر آتا ہے۔ چنانچہ عام آدمی' اور بالخصوص وہ لوگ جو آسمانی ہدایت اور ایمانی حقائق سے بے بہرہ ہوں' اس کی چکا چوند سے مرعوب ہو کر اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر بن جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد' جن میں ہمارے اکثر نام نہاد دانشور اور ہمارا حکمران طبقہ بھی شامل ہے' اسی مرعوبیت کا شکار ہیں اور اس بدبودار تہذیب کو گلے لگانے

کے لیے بے چین ہیں۔اقبال نے بہت پہلے متنبہ کردیا تھا۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اقبال نے مغربی تہذیب کے پاسبانوں کو بھی خبردار کردیا تھا کہ۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

امریکہ کا آج ہم پر دباؤ ہے کہ اسلام کا ایک جدید ایڈیشن تیار کیا جائے۔ایک روشن خیال اور اعتدال پسند اسلام اس کی بارگاہ میں ہدیہ کیا جائے —— بالفاظِ دیگر آج ہمارے حکمرانوں کو یہ Task دیا گیا ہے کہ وہ اسلام کا ایک ایسا ایڈیشن تیار کریں جو یہود و نصاریٰ کی مرضی اور پسند کا اسلام ہو —— جان لیجئے کہ آج روئے ارضی پر شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ یہود ہیں اور پوری عیسائی دنیا پر یہود کا مکمل معاشی تسلط ہے۔ بقول اقبال ؎ ’’فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے‘‘۔آج یہود و نصاریٰ اسلام دشمنی اور ابلیسی نظام کے فروغ میں بعضھم اولیاء بعض کا مصداق بن کر ایک ہو چکے ہیں۔آج وہی ہمارے آقا‘ ہمارے حاکم اور ہمارے لیے خدا کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہمارے لیے ملجا و ماویٰ آج اللہ نہیں‘ امریکہ ہے۔ہم اپنے دشمن کے مقابلے کے لیے اللہ کا دامن تھامنے کو تیار نہیں ہیں‘ ہاں آج بھی اپنے تحفظ کے لیے ہم امریکہ کی طرف دیکھتے ہیں۔اقبال نے کہا تھا۔

بُتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

چنانچہ یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ امریکہ کے دباؤ پر ہم اسلام کا جو نیا ایڈیشن تیار کرنا چاہ رہے ہیں وہ دراصل ابلیسی تہذیب ہے جسے اختیار کرنے اور اس پر اسلام کا لیبل لگانے پر ہمیں مجبور کیا جا رہا ہے اور ہم آنکھیں بند کر کے اپنے دین کا حلیہ بگاڑنے میں پیش پیش ہیں اور اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر بڑے فخر سے اس نوع کے بیان جاری کرتے اور اللہ کو ناراض کرنے کا Risk مول لیتے ہیں کہ جو لوگ نیکروں میں عورت کو دیکھنا پسند نہیں کرتے وہ آنکھیں بند کر لیا کریں یا ٹی وی چینل بند کر دیا کریں۔اگر آپ کے نزدیک روشن

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\.ms28-03.inp 8/22/2014 2:56 PM PAGE 3 (1,1)

خیالی اسی کا نام ہے کہ عورت کے جسم اور نسوانی حسن کی کھلی نمائش ہو اور بڑے بڑے بل بورڈز کے ذریعے عورت کے نسوانی حسن کو تجارتی مقاصد کے لیے ذریعۂ تشہیر بنا کر عورت کی تذلیل کی جائے‘ تو آپ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اقبال کا نام اپنی زبان پر لائیں اور اس کے تصورِ اسلام کی علمبرداری کا دعویٰ کریں۔

اقبال کے نزدیک آئینِ پیغمبری کا سب سے پہلا سبق حفاظتِ ناموسِ زن یعنی عورت کی عزت و آبرو کی حفاظت ہے۔ اقبال نے ابلیس کی زبانی اس حقیقت کا انکشاف یوں کرایا: ؎

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر!
حافظِ ناموسِ زن‘ مرد آزما‘ مرد آفریں

اور مسلمان عورت جسے آپ مَردوں کے شانہ بشانہ باہر نکلنے اور تمام سماجی حدود و قیود توڑنے کا سبق سکھا رہے ہیں‘ ذرا دیکھئے کہ اقبال اسے کیا پیغام دیتے ہیں۔ آئندہ کے لیے یا تو اقبال کے اس پیغام کی روشنی میں اپنے تصورِ اسلام کو درست کیجیے یا اقبال کا نام لینا ہمیشہ کے لیے بند کر دیجیے۔ اقبال فرماتے ہیں ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

یعنی اے مسلمان عورت! فاطمہؓ بنت محمدﷺ کا اسوہ اختیار کر‘ تیرے لیے رول ماڈل صرف وہی ایک ہے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اسوہ کا لازمی تقاضا کیا ہے —— اپنے آپ کو زمانے کی نگاہوں سے چھپا لے‘ لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھ۔ یہ ستر و حجاب کی تعلیم ہے جو اقبال مسلمان عورت کو دے رہے ہیں۔

آگے سنئے! فاطمہ ؓ کے اسوہ کو اختیار کرنے کا یہ نتیجہ نکلے گا کہ تیری گود میں تیری آغوش میں حسن و حسین ؓ جیسے پھول کھلیں گے۔

میں حیران ہوں کہ اقبال نے آج سے سو سال پہلے سینما کے بارے میں کیا رائے قائم کی تھی! حالانکہ اس وقت سینما میں وہ بے حیائی اور عریانی و فحاشی نہیں تھی جو آج ڈش اور کیبل کے ذریعے گھر گھر پہنچ چکی ہے۔

سنئے! وہ جو واقعی روشن خیال تھا وہ اس سینما کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اقبال بالِ جبریل میں فرماتے ہیں ؎

وہی بُت فروشی ، وہی بُت گری ہے
سنیما ہے یا صنعت آزری ہے
وہ صنعت نہ تھی ، شیوۂ کافری تھا
یہ صنعت نہیں ، شیوۂ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کہن کا
یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے
وہ دنیا کی مٹی ، یہ دوزخ کی مٹی
وہ بُت خانہ خاکی ، یہ خاکستری ہے

اسی روشن خیالی کا ایک مظہر یہ ہے کہ اسمبلیوں میں عورتوں کی مخصوص نشستیں بڑھا کر ایک تہائی کر دی گئی ہیں، جس کے بارے میں بتایا یہ جاتا ہے کہ عورتوں کو یہ خصوصی مقام دنیا میں کہیں اور حاصل نہیں ہے۔

کلام اقبال کے آئینے میں ذرا اِس پہلو سے بھی اپنی تصویر دیکھ لیجئے۔ انداز ظریفانہ ہے، بات پتے کی ہے، فرماتے ہیں۔

یہ کوئی دن کی بات ہے ، اے مردِ ہوشمند
غیرت نہ تجھ میں ہو گی، نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی

یعنی عورت گھر بار کی ذمہ داری اور اولاد کی پرورش کو بھول کر ووٹ کے حصول کے لیے گھروں سے نکل کھڑی ہو گی!

انسانی معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے اور انسان کو شرفِ انسانیت سے محروم کر کے محض حیوان اور درندہ بنانے والی دوسری شے سودی معیشت ہے جس کے خلاف بات کرنا آج روشن خیالی کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔

موجودہ مغربی تہذیب کے رگ و ریشے میں سودی معیشت سرایت کئے ہوئے ہے اور یہ موجودہ ابلیسی نظام کا دوسرا بڑا ہتھیار ہے۔ یہ نوعِ انسانی کے خلاف ابلیس کے انتقام کا دوسرا سب سے کامیاب حملہ اور سب سے خوفناک سازش ہے۔ تخلیق آدم سے آج تک اس سے زیادہ استحصالی نظام وجود میں نہیں آسکا۔ علامہ کی نگاہِ حقیقت بین نے اس نظام کی حقیقت

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\.ms28-03.inp 8/22/2014 2:56 PM PAGE 4 (1,1)

کو دیکھ لیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

از ربا آخر چہ می زائد فتن!
کس نہ داند لذتِ قرضِ حسن
از ربا جاں تیرہ دل چوں سنگ و خشت
آدمی درّندہ بے دندان و چنگ!

مزید فرماتے ہیں:

ایں بنوک ایں فتنۂ چالاکِ یہود
نور حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

لیکن آج روشن خیالی کا علَم اٹھانے والے ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ سود کے بغیر معاشی نظام نہیں چل سکتا۔ اور سود سے چھٹکارا پانے کے ضمن میں موجودہ حکومت نے وفاقی شرعی عدالت کی مثبت کوششوں کو جس گھٹیا انداز میں غیر مؤثر بنایا اس کی داستان جسٹس وجیہہ الدین اسی فورم سے بیان کر چکے ہیں۔

بات کو سمیٹتے ہوئے عرض کروں گا کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی موجودہ مہم دراصل اُس اسلام سے اعلانِ براءت کا اظہار ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے۔ اس کے برعکس اس اسلام کو فروغ دینے کی کوشش ہے جسے دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ Promote کرنا چاہتے ہیں۔

دورِ حاضر کے سب سے زیادہ روشن خیال انسان علامہ اقبال کے اس پیغام پر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ یہ پیغام پسر اقبال سمیت پوری ملت اسلامیہ کے لیے ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست!

(اتوار ۲۷ مارچ ۲۰۰۵ء کو قرآن آڈیٹوریم لاہور میں منعقد ہونے والے سیمینار بعنوان ''روشن خیالی کا موجودہ تصور اور اسلام'' میں پڑھا گیا۔)

تذکرہ و تبصرہ

شادی بیاہ کی تقریبات میں سنت کے مطابق اصلاح

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کا خطاب

مقام: فاران کلب' کراچی' بتاریخ: ۴/اپریل ۲۰۰۴ء

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہِ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ ۫ یَاۡمُرُہُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ یَنۡہٰہُمۡ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ یُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَ یَضَعُ عَنۡہُمۡ اِصۡرَہُمۡ وَ الۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَ عَزَّرُوۡہُ وَ نَصَرُوۡہُ وَ اتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ (الاعراف) ...... صدق اللّٰہ العظیم

ادعیۂ ماثورہ کے بعد:

آج میری گفتگو اس موضوع پر ہو گی کہ شادی بیاہ کی تقریبات کے لئے مسنون طریقہ کیا ہے اور اس حوالے سے ہمارے ہاں جو بدعات رائج ہو گئی ہیں' جو اسراف و تبذیر ہو رہی ہے' اُن کو ختم کرنے کی کیا سبیل ہے!

شادم از زندگیٔ خویش......

میں نے اپنی شعوری زندگی' جو اَب پچاس برس سے زائد پر محیط ہے' کے اوقات اور اس کی توانائیاں' قوتیں اور صلاحیتیں دو کاموں میں صرف کی ہیں۔ ایک ہے

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms15-03.inp 8/22/2014 3:02 PM PAGE 1 (1,1)

’’دعوت رجوع الی القرآن‘‘ یعنی لوگوں کو قرآن کی طرف لوٹنے کی دعوت۔ اس کے لئے میں ایک لفظ استعمال کر رہا ہوں‘ جو شاید آپ کو نامانوس لگے‘ کہ خصوصاً پڑھے لکھے لوگوں کو قرآن سے ’’متعارف‘‘ کرایا جائے‘ انہیں بتایا جائے کہ یہ محض ایک مذہبی کتاب نہیں ہے جس کی تلاوت سے ثواب حاصل کر لیا جائے۔ یہ ہندومت کی کتابوں کی طرح کوئی جنتر منتر نہیں ہے جن سے اپنی کچھ مشکلات کا حل تلاش کر لیا جائے۔ بلکہ یہ کتابِ ہدایت ہے جو انسان کی پوری زندگی کے لئے راہنمائی کرتی ہے۔ اس کتاب کا حق ہے کہ اسے مانیں‘ پڑھیں‘ سمجھیں‘ اس پر عمل کریں اور اس کی تبلیغ کریں۔ یہ قرآن کے حقوق ہیں جو ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔ میری یہ جدوجہد الحمد للہ کافی کامیاب رہی ہے اور میں مطمئن ہوں کہ ع شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم!

میری اس دعوت کو لوگوں نے بڑی تیزی کے ساتھ قبول کیا۔ بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ایسے ہیں جنہوں نے مجھ سے درسِ قرآن کا انداز سیکھا اور اب وہ اسی کے مطابق خود درسِ قرآن دے رہے ہیں۔ اس وقت اُن کی تعداد ایک سو سے بھی متجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری محنت کے نتائج میرے سامنے ہیں۔ یہ بہت خوش قسمتی کی بات ہوتی ہے کہ آپ جس کام کے لیے محنت کریں‘ اس کے نتائج آپ کی زندگی ہی میں برآمد ہو جائیں۔ میرے یہ دروسِ قرآن ہفتہ وار ہوتے رہے‘ ماہانہ بھی ہوئے‘ چالیس چالیس دن کی تربیت گاہیں بھی منعقد ہوئیں۔ پھر ہم نے دو سال اور ایک سال کے کورسز شروع کئے تاکہ لوگ عربی سیکھیں اور قرآن کو خود سمجھ سکیں۔ اس کے علاوہ آڈیو‘ ویڈیو ذرائع سے بھی اس دعوت کو عام کیا گیا۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں ٹیلی ویژن پر ۱۵ مہینے تک ’’الہدیٰ‘‘ کے نام سے پروگرام چلا‘ جو بہت سے حضرات کو شاید آج بھی یاد ہو۔ اس کے علاوہ سیٹلائٹ چینلز کے اس دور میں ’’اے آر وائی‘‘ کے ذریعے سے دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں میری آواز پہنچ رہی ہے۔ نامعلوم کہاں کہاں سے ای میلز آتی ہیں‘ کہاں کہاں سے خطوط آتے ہیں! لہٰذا نتائج کے اعتبار سے مَیں اپنی جدوجہد کے اس پہلو سے مطمئن ہوں۔

میری دوسری جدوجہد یہ تھی کہ اللہ کے دین کو قائم اور نافذ کیا جائے۔ مجھے مطالعۂ قرآنِ حکیم سے یہی بات معلوم ہوئی ہے۔ اس لیے کہ قرآن صرف پڑھنے پڑھانے یا سمجھنے سمجھانے کی چیز نہیں ہے۔ یہ کوئی ریسرچ کا موضوع نہیں ہے کہ اس پر بڑی بڑی کتابیں لکھ دی جائیں۔ اس کتابِ ہدایت سے اگر ہدایت حاصل ہوگئی تو اب آپ کی زندگی کا مقصد اللہ کے دین کو قائم کرنا ہوگا۔ بقول شاعر ؎

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں' میں اسی لیے نمازی!

اس مقصد کے لیے میں نے ''تنظیم اسلامی'' کے نام سے ایک انقلابی جماعت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس کی طرف ابھی لوگوں کا اتنا رجوع نہیں ہوا ہے' اگرچہ قرآن کا انقلابی فکر بڑے وسیع حلقے میں پھیل چکا ہے۔ ہماری اس تحریک کے ذریعے سے بہت وسیع پیمانے پر یہ بات پھیل گئی ہے کہ اسلام نرا مذہب نہیں ہے جو محض عبادات' عقائد اور کچھ رسومات پر مشتمل ہو' بلکہ اسلام ایک دین ہے' اور دین تب ہی ہوتا ہے جب وہ غالب ہو۔ اگر مغلوب ہو جائے گا تو وہ ایک مذہب رہ جائے گا' جبکہ ''مذہب'' کا لفظ قرآن اور حدیث میں کہیں نہیں ملتا۔ قرآن کے حوالے سے تو مَیں دعوے سے کہہ سکتا ہوں' جبکہ حدیث کا ذخیرہ بہت وسیع ہے' لیکن میرے علم کی حد تک حدیث میں بھی کہیں ''مذہب'' کا لفظ نہیں آیا۔ یہ درحقیقت ہمارے دورِ گمراہی بلکہ دورِ غلامی کی پیداوار ہے۔ جب ہم اپنے بچوں کو مدرسوں میں داخل کرانے جاتے تھے تو فارم پُر کرتے وقت مذہب کے خانے میں ''اسلام'' لکھتے تھے۔ گویا اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک مذہب بن کر رہ گیا۔ اس اعتبار سے اب یہ فکر تو اللہ کے فضل سے عام ہو گیا ہے کہ اسلام دین ہے جو اپنا غلبہ چاہتا ہے' اور اس کے غلبے کا طریقہ منہج انقلابِ نبویؐ کے ذریعے سے سمجھا جا سکتا ہے کہ حضورﷺ نے انقلاب کیسے برپا کیا تھا۔ البتہ عددی اعتبار سے اس تنظیم کی قوت ابھی زیادہ نہیں ہے۔ اس پر بھی مَیں غیر مطمئن نہیں ہوں' اس لیے کہ کہاں ہم اور کہاں نبی اکرمﷺ! ہم اُن کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\ma15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 2 (1,1)

نہیں ہیں‘ لیکن اسلام کی انقلابی تحریک کا معاملہ تو یہ ہے کہ حضورﷺ جیسے داعی‘ مبلغ‘ مربی‘ مزکی اور معلم کو بھی دس برس میں صرف سو یا سوا سو آدمی ملے تھے۔ اس لیے مجھے اس پر کوئی تشویش نہیں ہے‘ بلکہ یہ اطمینان ہے کہ میں نے اپنی صلاحیت اور قوت اس کام میں لگا دی ہے اور منہج انقلابِ نبویؐ کی بنیاد پر ایک تنظیمی ڈھانچہ کھڑا کر دیا ہے۔

شادی بیاہ کے ضمن میں اصلاحی تحریک

مذکورہ بالا دو کاموں کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا کام بھی جاری ہے‘ جس کا تعلق ایک سماجی برائی کی اصلاح سے ہے۔ یعنی شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں اتباعِ نبویؐ پر مبنی ایک اصلاحی تحریک۔ یہ کام بھی ایک اعتبار سے مسنون ہے۔ میں نے آغاز میں سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ تلاوت کی ہے۔ اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ستر سرکردہ افراد کو لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنے کے لیے کوہِ طور پر گئے تو انہوں نے عرض کی کہ اے اللہ! ہمارے لوگوں نے جو گوسالہ پرستی کا جرم کیا ہے‘ اسے تو بخش دے‘ ہم نے ان لوگوں کو اپنے طور پر بھی سزا دی ہے اور شرک کرنے والوں کو قتل کر دیا گیا ہے‘ لیکن ہم پھر بھی تیری معافی کے طلب گار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ دعا بھی کی کہ اے اللہ! ہمارے لیے اپنی رحمت لکھ دے‘ یہ امر معین کر دے کہ تیری رحمت ہمیشہ کے لیے ہمارے شامل حال رہے گی۔ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ میری ایک رحمت تو عام ہے جس میں دنیا کی ہر شے شامل ہے‘ اس کا وجود ہی میری رحمت کی بنیاد پر ہے‘ جبکہ ایک میری خاص رحمت ہے۔ یہ میں نے اُن لوگوں کے لیے مخصوص کر دی ہے جو میرے رسول‘ نبیٔ اُمّیﷺ پر ایمان لائیں گے اور اُن کی پیروی کریں گے۔ اُن کا ذکر وہ اپنی کتابوں تورات اور انجیل میں موجود پائیں گے۔

جب وہ آئیں گے تو کیا کام کریں گے‘ یہ تین جوڑے ہیں جن کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ سب سے پہلے تو فرمایا: ﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”وہ انہیں نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے“۔ پھر: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ ”اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال

ٹھہرائیں گے اور ناپاک (گندی) چیزوں کو حرام فرما دیں گے''۔ تیسری بات یہ فرمائی: ﴿وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ﴾ ''اور وہ ان کے کندھوں پر جو بوجھ پڑے ہوئے ہوں گے اور ان کی گردنوں میں جو طوق پڑے ہوئے ہوں گے' ان سے انہیں نجات دلائیں گے''۔ ﴿فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ﴾ ''پس جو لوگ ان پر ایمان لائیں گے'' ﴿وَعَزَّرُوۡهُ﴾ ''اور ان کی تعظیم کریں گے'' ﴿وَنَصَرُوۡهُ﴾ ''اور ان کی مدد کریں گے (ان کے مشن میں ان کے دست و بازو بنیں گے)'' ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ﴾ ''اور اس نور کا اتباع کریں گے جو اُس (نبیِ اُمّیؐ) کے ساتھ نازل کیا جائے گا (یعنی قرآن حکیم)'' ﴿اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾ ''وہی ہوں گے کامیاب ہونے والے''۔ یہ جو آخری ٹکڑا ہے اس میں حضورﷺ کی نسبت سے ہر مسلمان کے چار فرائض سامنے آئے' یعنی ایمان' تعظیم' مدد اور قرآن حکیم کا اتباع۔ یہ حضورﷺ کے چار حقوق ہیں جو مجھ پر اور آپ پر عائد ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر میرا ایک مکمل کتابچہ بعنوان ''نبی اکرمﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' موجود ہے۔

''اِصر و اَغلال'' کی مختلف صورتیں

اس وقت مجھے آیت کا صرف ایک ٹکڑا تفصیل سے بیان کرنا ہے' اور وہ ہے: ﴿وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ﴾ ''اور وہ ان پر سے وہ بوجھ اور طوق ہٹا دے گا جن میں وہ جکڑے ہوں گے''۔ ''حمل'' ایسا بوجھ ہے جسے لے کر انسان چل سکے۔ چنانچہ حمّال اس کو کہتے ہیں جو آپ کا بوجھ یہاں سے اٹھا کر وہاں لے گیا۔ اس کے مقابلے میں ''اِصر'' وہ بوجھ ہے جس کے نیچے انسان دب کر رہ جائے اور چل نہ سکے۔ تو فرمایا گیا کہ انسانوں پر جو ''اِصر'' لاد دیے جائیں گے اور ان کی گردنوں میں جو طوق ڈال دیے جائیں گے ان سے انہیں نجات دلائے گا۔ یہ کون سے بوجھ اور طوق تھے؟ سب سے پہلے زمینداروں' جاگیرداروں کا ظلم جو غرباء پر ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ یہ بہت بڑا بوجھ ہے کہ ہاری یعنی کسان اور مزدور محنت کرے جبکہ عیش سرمایہ دار' جاگیردار' زمیندار کرے۔ یہ بوجھ تو صرف اس صورت میں ختم ہوسکتا

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ma15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 3 (1,1)

ہے کہ ایک مکمل اسلامی انقلاب آ جائے‘ ورنہ نہیں ہٹ سکتا۔ دوسرا بوجھ یہ ہے کہ مذہبی لوگ نئی سے نئی بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں‘ تاکہ اپنے کھانے پینے کا سلسلہ جاری رہے۔ کسی کے فوت ہونے کی صورت میں شرعی اعتبار سے نمازِ جنازہ کے بعد کوئی اجتماعی تقریب ثابت نہیں ہے‘ لیکن سوئم ہو رہا ہے‘ پھر ساتواں‘ دسواں‘ چالیسواں ہو رہا ہے‘ برسی ہو رہی ہے اور ان تمام موقعوں پر دیگیں پک رہی ہیں۔ کتنا بوجھ ہے جو لوگوں پر ڈالا جا رہا ہے! پھر قانون میں مین میخ نکال کر دین کو سخت سے سخت کرنا اور کرتے چلے جانا مذہبی استحصال ہے۔ مولوی اپنے لیے تو ’’کتابُ الْحِیَل‘‘ جانتا ہے کہ حیلہ کر کے بچ جاؤ‘ جبکہ دوسروں کو سخت سے سخت حکم سناتا ہے۔ یہ بھی مذہبی اعتبار سے ایک بوجھ ہے‘ جو ’’اِصْر‘‘ اور ’’اَغلال‘‘ میں شامل ہے۔ اسی طرح معاشرتی رسومات کے ضمن میں بھی ’’اِصر و اَغلال‘‘ کا معاملہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: ؏ ’’خود کردہ را علاج نیست‘‘۔ انسان کچھ تو اپنے آس پاس کو دیکھ کر اور کچھ اپنی آبائی رسومات کے حوالے سے اپنے کندھوں پر بوجھ اور گردنوں میں طوق ڈال لیتا ہے۔

آج کے دَور میں شادی بیاہ کی رسومات ربڑ کی طرح کھنچتی چلی جا رہی ہیں۔ دعوتوں پر دعوتیں ہو رہی ہیں۔ رشتہ طے کرنے گئے ہیں تو دعوت ہے‘ شادی کی تاریخ لینے گئے ہیں تو دعوت ہے‘ نکاح کرنے گئے ہیں تو دعوت ہے‘ پھر ولیمہ ہے۔ بیٹی والا پس رہا ہے۔ نا معلوم کتنی تقریبات ہیں جن میں نہ صرف پیسے بلکہ لوگوں کے اوقات کا بھی ضیاع ہو رہا ہے۔ اگر آپ دعوت کریں اور آپ کا کوئی دوست یا عزیز نہ آئے تو آپ کو شکایت ہوگی۔ کراچی جیسے بڑے شہر میں کہیں آنے جانے اور تقریبات میں شریک ہونے کے لیے کافی وقت چاہیے۔ پھر دسترخوان مقررہ وقت پر نہیں کھولے جاتے کہ ابھی فلاں صاحب نہیں آئے ہیں‘ جبکہ یہ دَور تو ’’Time is Money‘‘ کا دَور ہے۔

دراصل خرچ کے دو درجے ہیں‘ ایک اسراف اور ایک تبذیر۔ اسراف تو یہ ہے کہ کسی جگہ پر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے۔ خوراک انسان کی ضرورت ہے‘ جو ایک

سالن روٹی سے بھی پوری ہو سکتی ہے، لیکن آج عام گھروں میں بھی کئی کئی کورسز کے ڈنر ہو رہے ہیں، کئی کئی سالن پک رہے ہیں۔ یہ اسراف ہے۔ اسی طرح کپڑوں سے بڑی بڑی الماریاں بھری ہوئی ہیں۔ یہ سراسر اسراف ہے۔ رہائش کے لیے ایک چھت تو ضروری ہے، لیکن ایکڑوں میں پھیلے ہوئے محل ہوں تو یہ اسراف ہے۔

ہمارے دین میں اسراف سے بھی منع کیا گیا ہے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر تبذیر ہے۔ فرمایا گیا: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ط﴾(بنی اسرائیل:۲۷) ''یقیناً مُبذِّرین تو شیطانوں کے بھائی ہیں''۔ مُبذِّر اُس شخص کو کہتے ہیں جو بلاضرورت محض دولت کے اظہار کے لیے پیسہ خرچ کر رہا ہے۔ اسے اپنی دولت اور شان وشوکت کا اظہار مطلوب ہے۔ بچی کی شادی ہے تو بجلی کے قمقموں سے پوری کوٹھی جگمگا رہی ہے۔ ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی کیوں کہا گیا ہے؟ دیکھئے، شیطان کا سب سے بڑا حیلہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو لڑانا چاہتا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۱ میں ارشاد ہوا: ﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ......﴾ ''شیطان تو چاہتا ہے کہ تمہارے مابین دشمنی اور بغض پیدا کر دے''۔ اس قسم کی تقریبات دشمنی اور بغض پیدا کرنے کا نہایت مؤثر ذریعہ ہیں، کیونکہ جس سیٹھ کے محل میں اس کی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے تو اس کا کوئی ڈرائیور بھی ہوگا، کوئی باورچی بھی ہوگا، کوئی پہرے دار بھی ہوگا۔ ان کے گھروں میں بچیاں بوڑھی ہو رہی ہوں گی، جن کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں۔ جب وہ دولت کو پانی کی طرح بہتے ہوئے دیکھیں گے تو اُن کے دل کی کیفیات کیا ہوں گی؟ انہیں موقع ملے گا تو کیا وہ اس سیٹھ کا پیٹ نہیں پھاڑیں گے؟ یہ فطری نتیجہ ہے۔ اس سے یقیناً دشمنی اور بغض پیدا ہوگا۔

معاشرتی سطح پر Haves اور Have-nots کی تقسیم سے دنیا میں کمیونزم کی تحریک اٹھی تھی، اور اب دوبارہ اٹھے گی اگر اسلام میدان میں نہ آیا۔ سرمایہ دارانہ نظام جو گلوبلائزیشن کی شکل اختیار کر رہا ہے، اسی سطح پر کوئی جوابی ردِعمل پیدا ہوگا۔ بہرحال ایسے مجبور لوگوں کے اندر ایک ہوک سی اٹھتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جب وہ مسجدوں

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\ma15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 4 (1,1)

میں وعظ سنتے ہیں کہ کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ ''تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں'' تو اُن کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا واقعی ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں! یہ اِصرار اور اَغلال امیروں' خاص طور پر نو دولتی طبقہ کے لیے تو اپنی دولت کے اظہار کا موقع ہے' جبکہ غریبوں' خاص طور پر لوئر مڈل کلاس کے سفید پوش آدمی کے لیے یہ بہت بڑا بوجھ بن گیا ہے۔ صاحب حیثیت افراد نے جتنے خانے کھول دیئے ہیں' وہ تمام اسے بھی پُر کرنے پڑ رہے ہیں۔ وہ سوچتا ہے میری بچی کیا کہے گی کہ قریب میں شادی ہوئی تھی تو کوٹھی بقعۂ نور بنی ہوئی تھی' میرا باپ کیا دو جھالر لا کر نہیں لٹکا سکتا! جو کچھ ہو رہا ہے' کسی نہ کسی درجے میں اسے خانہ پُری کرنی پڑتی ہے اور یوں جو بوجھ اُن پر پڑتا ہے اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جس شخص کے ہاں تین چار بیٹیاں ہو جائیں اس کی راتوں کی نیند اس فکر میں حرام ہو جاتی ہے کہ کیسے ان کے ہاتھ پیلے کروں۔ یہ ہیں وہ اِصرار و اَغلال' جنہوں نے خاص طور پر اِس معاملے میں آج ہمارے معاشرے کے اندر ایک ناسور کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اصلاحی تحریک کا پس منظر

اس ضمن میں اصلاح کا معاملہ بہت عرصے سے سوچا جا رہا تھا' بلکہ میں نے سب سے پہلے یہ چیز کراچی میں دیکھی تھی کہ مسجدوں میں نکاح کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ تو ہیرا پھیری ہے' نکاح تو مسجد میں ہے لیکن دعوت ہو رہی ہے کسی ہوٹل کے اندر۔ یہ تو الٹی مصیبت ہو گئی کہ رشتہ دار پہلے تو کسی مسجد میں جا کر نکاح میں شریک ہوں اور پھر ہوٹل میں جا کر کھانا کھائیں۔ یہ تو دوگنی مصیبت ہو گئی' بجائے اس کے کہ کچھ بوجھ کم ہو۔ چنانچہ میں جب ۱۹۶۵ء میں لاہور منتقل ہوا تو اُس وقت سے میں نے اپنے طور پر ایک تحریک کا آغاز کیا۔

میں نے کہا ہے کہ میری شعوری زندگی پچاس برس سے زائد کی ہے۔ پہلے میں اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی کے ساتھ رہا۔ جب وہاں سے علیحدہ ہوا تو کچھ انتظار کیا کہ جماعت سے الگ ہونے والے بڑے لوگ کچھ کام شروع کریں تو مَیں بھی

ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ لیکن جب کوئی آگے نہیں بڑھا تو پھر ۱۹۶۵ء میں مَیں نے فیصلہ کیا کہ مجھے کچھ کرنا ہے۔ مجھے اپنی قبر میں جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھنا ہے۔ میں یہ کہہ کر چھوٹ نہیں جاؤں گا کہ مولانا اصلاحی صاحب نے کوئی جماعت قائم نہیں کی' شیخ سلطان احمد صاحب نے (جو اَب تک بقید حیات ہیں' اللہ انہیں عمر اور صحت دے!) کوئی جماعت شروع نہیں کی تو میں کیا کرتا! لہٰذا پھر میں نے درس دینے شروع کیے۔ اس کے نتیجے میں مجھ سے محبت کرنے والوں کا ایک حلقہ پیدا ہوا۔ پھر وہ محبت اتنی شدید ہوئی کہ اسے عقیدت کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جب ان کے ہاں شادی کا موقع آتا تھا تو مجھ سے نکاح پڑھوانے کی درخواست کرتے۔ میں پس وپیش کرتا کہ میں نے کبھی نکاح نہیں پڑھایا' نہ میں اس کے لوازم جانتا ہوں۔ لیکن ان کا اصرار قائم رہتا۔ آخر کار جب میرے ایک قریب ترین ساتھی نے یہ کہا کہ میری بیٹی کی خواہش ہے کہ اس کا نکاح آپ ہی پڑھائیں تو میں نے ہتھیار ڈالے اور نکاح کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میرا طریقہ کار یہ تھا کہ ہر نکاح کے ساتھ تقریر کرتا تھا' جس میں اس حوالے سے ہونے والے اسراف اور تبذیر کی مذمت کی جاتی۔ لوگ سن لیتے تھے' گردن جھکا لیتے تھے لیکن پرنالہ وہیں کا وہیں رہتا تھا۔ کہا جاتا کہ کیا کریں' عورتیں نہیں مانتیں' گھروں میں راج تو خواتین کا ہے! ۱۹۷۳ء میں مَیں نے یہ اعلان کیا کہ اب میں ایسی کسی محفل نکاح میں شریک نہیں ہوں گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔ الحمد للہ کہ اپنے اس عہد پر میں آج تک قائم ہوں۔ پھر یوں ہونے لگا کہ میں تو مسجد میں نکاح پڑھاتا تھا لیکن پھر لوگ گھر جا کر دعوتِ طعام کا اہتمام کرتے تھے۔ اس پر میں نے فیصلہ کیا کہ اب کوئی ایسا نکاح نہیں پڑھاؤں گا جس کے ساتھ کوئی دعوتِ طعام بھی ہو۔ اس کے دلائل مَیں آپ سے بعد میں عرض کروں گا۔ آخری بات میں نے یہ کہی کہ میں نکاح نہیں پڑھاؤں گا جب تک فلاں فلاں شرطیں پوری نہ ہوں۔ اس سے پھر اللہ کے فضل وکرم سے یہ تحریک چلی ہے۔ اس کے پس منظر میں جو اصلاحی کوششیں ہوئی ہیں' اُن کا اجمالی تذکرہ کر رہا ہوں۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\ma15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 5 (1,1)

سب سے پہلے تو یہ کہ ہر واعظ کہتا تھا کہ سادگی ہونی چاہیے، لیکن غور کیجئے سادگی ایک بے معنی اور اضافی (relative) لفظ ہے۔ غریب کی سادگی کچھ اور ہے، امیر کی کچھ اور۔ جھگی میں رہنے والے کی سادگی کچھ اور ہے، محل میں رہنے والے کی کچھ اور۔ اس کا کوئی معین مفہوم نہیں ہے۔ پھر مرحوم جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں قانون سازی کی گئی کہ مقررہ تعداد سے زیادہ مہمان نہیں ہونے چاہئیں، اخراجات کی حد یہ ہونی چاہیے، جہیز زیادہ سے زیادہ اس مالیت کا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس قانون سازی کا صرف ایک فائدہ ہوا اور وہ پولیس والوں کو پہنچا کہ وہ پکی پکائی دیگیں اٹھا کر لے گئے اور مزے سے کھائیں، یا یہ کہ کچھ مک مکا ہو گیا تو پیسے لے گئے۔ لہٰذا اس سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔

پھر یہ کہ جنرل ضیاء الحق صاحب نے بھی مہمانوں کی تعداد قانوناً تو بہت کم رکھی تھی، لیکن وہ خود ایسی شادیوں میں شریک ہوئے جہاں ہزاروں مہمان ہوتے تھے۔ یہ ان کی سیاسی ضرورت تھی، کیونکہ ان کے سیاسی حلیف بڑے بڑے وڈیرے اور جاگیردار تھے جن کے ہاں انہیں جانا پڑتا تھا۔ نتیجتاً یہ سکیم بھی بُری طرح فیل ہو گئی۔ البتہ ضیاء الحق صاحب کو یہ کریڈٹ دیا جانا چاہیے کہ انہوں نے اپنی بچی کی شادی نہایت سادگی سے کی۔ ڈاکٹر عبدالحی عارفی مرحومؒ کو کراچی سے بلوایا گیا تھا۔ کوئی دعوتِ طعام نہیں تھی۔ انہوں نے خود تو عمل کیا، لیکن سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے قانون پر عمل درآمد نہیں کرا سکے۔

میں نے غور و فکر کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ ایک اصلاحی عمل کی تعمیر کے لیے کوئی چٹان کی طرح مضبوط بنیاد ہونی چاہیے۔ کوئی بہت ہی اونچی منزل بنانی ہو تو ایسی جگہ دیکھی جاتی ہے جو مضبوط ہو اور وزن اٹھا سکے۔ اسی طرح کسی اصلاحی تحریک کی بنیاد بھی مضبوط ہونی چاہیے! سوچ بچار کے بعد وہ بنیاد سمجھ میں آئی کہ ایک اصول طے ہو جائے کہ جو رسم اور تقریب حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہو اُس کو دانتوں سے پکڑو، سر آنکھوں پر رکھو اور اپنی حیثیت کے مطابق اس کو پورا کرو، لیکن جس تقریب

یا رسم کا کوئی ثبوت دورِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ سے نہ ملے‘ وہ یقیناً کہیں باہر سے آئی ہے‘ کسی جاہلیت کا ہم پر حملہ ہوا ہے‘ اگر ہم ہندوؤں سے مسلمان ہوئے تھے تو ابھی ہمارا ہندوانہ پس منظر ہی چل رہا ہے۔ تو ایسی چیزوں کو کم کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہوگا‘ کیونکہ کسی درخت یا پودے کو صرف کاٹ دیا جائے تو بڑھ کر وہ پودا دوبارہ پورا ہو جاتا ہے۔ انہیں جڑ سے کاٹ دینا ہوگا۔ ان کی سرے سے نفی کرنا ہوگی تا کہ ان چیزوں کا وجود ہی نہ رہے۔ اس اصول پر میں نے اپنی تحریک کی بنیاد رکھی۔

مسجد میں نکاح کے دلائل و براہین

اس اصول کے تحت جو قدم میں نے اٹھائے‘ ان میں سب سے پہلا تو یہ ہے کہ نکاح مسجد میں ہو۔ اس کے حق میں دیئے گئے دلائل لوگوں کے لیے اتنے قابل یقین اور قائل کرنے والے (convincing) تھے کہ پنجاب کی سطح پر یہ کام اب بڑے پیمانے پر شروع ہو چکا ہے۔ سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ اس حوالے سے ایک حدیث مبارکہ موجود ہے۔ ترمذی شریف کی روایت ہے: ((اَعْلِنُوْا ھٰذَا النِّکَاحَ وَاجْعَلُوْہُ فِی الْمَسَاجِدِ)) ’’نکاح کا اعلانِ عام کیا کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کیا کرو‘‘۔ معلوم نہیں علماء اِس حدیث کو کیوں چھپاتے ہیں! میں علماء کے اس قول کو ردّ نہیں کرسکتا کہ یہاں فعلِ امر وجوب کے لیے نہیں‘ بلکہ استحباب کے لیے ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حضورﷺ نے جو مستحب چیز دی ہے اس کو کیوں چھوڑ رہے ہو؟ دنیا کے ہر معاملہ میں تو ع ’’ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!‘‘ کی روش ہوتی ہے جبکہ اس معاملے میں آپ آنحضورﷺ کے قول کو مستحب مانتے ہوئے بھی قبول نہیں کر رہے ہے!

یہ تحریک میں نے ۱۹۷۳ء میں اپنے چھوٹے بھائی کی شادی کے موقع پر شروع کی تھی۔ ہمیں سرگودھا جانا تھا اور ہم چار افراد تھے‘ جن میں سے ایک ہماری والدہ تھیں۔ وہاں مسجد میں نکاح ہوا۔ ہم نے کہہ دیا تھا کہ کوئی دعوتِ طعام ہرگز نہیں ہوگی۔ چونکہ ہم لاہور سے آ رہے ہیں‘ لہٰذا آپ کے مہمان کی حیثیت سے کھانا کھالیں گے‘ لیکن اس کے علاوہ کوئی اور عمومی دعوت نہیں ہوگی۔ مسجد میں نکاح کا اعلان ہوا تو بڑی تعداد میں

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 6 (1,1)

لوگ آ گئے۔ وہاں میں نے تقریر کی۔ جیسے کراچی میں مولانا مفتی محمد شفیعؒ تھے‘ اسی طرح سرگودھا میں بھی ایک مفتی محمد شفیعؒ صاحب تھے جن کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے دو بیٹے‘ جو مفتیانِ شہر کہلاتے تھے‘ وہ بھی اس موقع پر مسجد میں موجود تھے۔ میں نے نکاح اُن سے پڑھوایا۔ ان میں سے بڑے بھائی نے کہا کہ ’’ڈاکٹر صاحب! اس کام کی ہمت صرف آپ میں تھی‘ ہم یہ کام نہیں کر سکتے‘‘۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں مولوی کا کوئی مرتبہ (status) نہیں ہے۔ دیہات میں تو اس کی حیثیت کمی کاری کی ہے۔ جیسے ہاری‘ ویسا مولوی۔ فصل میں دانے دے دیئے جاتے ہیں‘ اللہ اللہ خیر صلّا! باقی روز کی روٹی گھر گھر جا کر مانگے اور کھائے۔ شہروں کے اندر مسجدوں کے علماء باوقار و باعزت ہوتے ہیں‘ لیکن مساجد کا اصل کنٹرول منتظمین کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ علماء یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نکاح کے لیے مسجد میں آؤ‘ میں اس کام کے لیے تمہارے ہاں نہیں آؤں گا! بہرحال اس پر لوگوں کو شرم بھی آئی‘ انہوں نے احساس کرنا شروع کیا۔

پھر میں نے مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا کہ عیسائیوں میں یہ رسم اب تک موجود ہے۔ انہوں نے اپنے چرچ اور پادری کی عزت برقرار رکھی ہے کہ شادی خواہ شہزادی کی ہو یا شہزادے کی‘ چرچ میں ہوگی۔ کوئی پادری بغل میں رجسٹر دبا کر بیٹھا ہوا انتظار نہیں کرے گا کہ ابھی تک بارات نہیں آئی۔ ہمارے ہاں تو نکاح خواں بیٹھے بیٹھے سوکھ رہے ہوتے ہیں۔ پہلے انہیں اس کام کے تیس چالیس روپے ملتے تھے‘ اب پانچ سو تک مل جاتے ہیں! عیسائیوں میں دولہا اور دلہن چرچ میں پادری کے سامنے کھڑے ہو کر ایجاب وقبول کرتے ہیں اور دلہن یہ اقرار کرتی ہے کہ ’’I will obey him.‘‘۔ جب برطانوی شہزادے اینڈریو سے سارہ فرگوسن کی شادی ہونے والی تھی تو اس کا ایک بیان آیا تھا کہ ’’میں بزدل قسم کی لڑکی نہیں ہوں‘ میں یہ الفاظ نہیں کہوں گی کہ ’’I will obey him‘‘۔ لیکن اسے بھی یہ الفاظ کہنے تو پڑے۔ یہ کتنی اچھی بات ہے جو کہ قرآن مجید کے مطابق ہے‘ کہ ان کے ہاں جب نکاح ہوتا ہے تو دلہن یہ بھی کہتی ہے کہ ’’میں اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہوں گی‘‘۔ دیکھئے قرآن کی آیت

:﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ ......﴾ ’’مرد عورتوں پر نگران مقرر ہیں......‘‘۔
﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ......﴾ ’’پس نیک بیویاں وہ ہیں جو اطاعت شعار ہوں......‘‘

تیسری بات میں نے یہ عرض کی کہ نکاح سے معاشرے میں ایک نیا خاندان وجود میں آتا ہے۔ اس خاندان کے لیے جو دعا کی جاتی ہے اس کے لیے مناسب ماحول چاہیے۔ آپ نے اعلیٰ ترین سنہری قسم کے شامیانے تان دیئے' فرش پر قالین بچھا دیئے' صوفے لگا دیئے' لیکن وہاں سگریٹ پیئے جا رہے ہیں' ہر طرف دھواں ہے' اونچے اونچے قہقہے لگ رہے ہیں' غیبتیں ہو رہی ہیں۔ پھر یہ کہ کوئی بھانڈ آ گیا تو فحش گوئی کا اضافہ ہو گیا۔ ایسے ماحول میں ایک کونے میں بیٹھا ہوا مولوی کچھ پڑھتا ہے' جیسے کہ صرف دولہا کو سنا رہا ہو اور پھر کہتا ہے کہ دعا مانگ لیں۔ دعا کیا خاک مانگیں! دعا کا ایک خاص ماحول ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف دلی توجہ ہو' رجوع ہو تو دعا مانگی جاتی ہے۔ لہٰذا نکاح کے موقع پر مانگی جانے والی دعا کے لیے بہترین ماحول مسجد ہی میں مل سکتا ہے' اور کہیں نہیں۔

چوتھی چیز جس کی طرف میں نے توجہ دلائی' وہ بھی غیرت کو جگانے والی ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر حضورﷺ کی بیٹیوں کے نکاح مسجد میں ہوئے تو ایسا کون سا مسلمان ہے جو یہ کہہ سکے کہ میری بیٹی حضرت فاطمہ ؓ سے زیادہ باعزت ہے' لہٰذا اس کا نکاح مسجد میں نہیں ہو سکتا! آخری چیز جو کہ دراصل اس ازدواجی رسم کے ضمن میں ایک اہم فلسفہ ہے' اسے میں بعد میں بیان کروں گا۔

مزید برآں مسجد میں نکاح کرنے سے پیسے اور وقت کی بچت ہوتی ہے!! اگر آپ لڑکی والے کے ہاں جائیں گے تو وہ شامیانے لگائے گا' قالین بچھائے گا' کرسیاں اور صوفے منگوائے گا۔ رات ہے تو قمقمے لگائے گا جس سے بجلی کا بھی خرچ ہو گا۔ اس کے مقابلے میں مسجد کے اندر کشادگی ہے' پنکھے بھی لگے ہوئے ہیں۔ وہاں نکاح کرنے سے کتنا پیسہ بچ سکتا ہے' اس کا تصور کیجئے! بہرحال' یہ تمام دلائل ایسے تھے جس کی بنا پر پہلی بات تو لوگوں نے بڑی آسانی سے مان لی۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ma15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 7 (1,1)

مسنون دعوتِ طعام —— صرف ولیمہ

دوسری بات یہ تھی کہ لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کے موقع پر کوئی دعوتِ طعام قطعاً ثابت ہی نہیں۔ شادی کی دعوت صرف ایک ہے اور وہ ولیمہ ہے۔ لڑکا ولیمہ اس لیے دیتا ہے کہ اس کا گھر آباد ہوا ہے۔ اصل خوشی اس کے ہاں ہے۔ لڑکی والوں کے ہاں خوشی نہیں ہوتی' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک اطمینان کا احساس ہوتا ہے کہ ایک ذمہ داری کا بوجھ اتر گیا ہے۔ خوشی کیسے ہوسکتی ہے! گھر سے بچی رخصت ہو رہی ہے۔ کوئی جانور بھی آپ کے ہاں چھ سات سال رہ جائے تو اس سے اُنس ہو جاتا ہے۔ قربانی کا جانور چند دن پہلے لے آئیں تو بچے اس سے اس قدر مانوس ہو جاتے ہیں کہ عید کے روز پچھاڑیں کھاتے ہیں کہ کیوں ذبح کر رہے ہو۔ اسی طرح جب وہ لختِ جگر' نورِ چشم گھر سے رخصت ہوتی ہے تو منظر یہ ہوتا ہے کہ ماں کو غشی کے دورے پڑ رہے ہیں' بہن بھائی رو رہے ہیں' دلہن خود بھی افسردہ ہے' باپ کی آنکھیں پُرنم ہیں' لہٰذا لڑکی والوں کے لیے یہ خوشی کا موقع نہیں ہے۔ پھر یہ تضاد دیکھئے کہ نکاح کے موقع پر چھوہارے تو لڑکے والے تقسیم کریں جبکہ مرغ پلاؤ لڑکی والوں سے کھایا جائے! ذرا عقل کے ناخن لو! جو تمہیں مرغ پلاؤ کھلا سکتا ہے کیا وہ چھوہارے نہیں بانٹ سکتا؟

یہ ساری صورتِ حال درحقیقت ہندوانہ پس منظر اور اسلامی پس منظر کے گڈمڈ ہونے کا نتیجہ ہے۔ اس کے ضمن میں مَیں خوش طبعی کے طور پر آپ کو ایک بات بتا دوں۔ میوات کے علاقے میں' جہاں شدھی کی تحریک شروع ہوئی تھی اور جس کی اصلاح کے لیے پھر تبلیغی جماعت کا آغاز ہوا' وہاں ایسے مسلمان بھی تھے جن کے آباء و اَجداد کسی مسلمان صوفی یا ولی اللہ کے ہاتھوں ایمان تو لے آئے تھے لیکن ان کی دینی تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام نہیں ہوسکا تھا۔ انہیں کلمہ بھی صحیح طور سے ادا کرنا نہیں آتا تھا۔ چنانچہ وہ تبلیغی جماعت کو ''کلمہ جماعت'' کہتے تھے' کیونکہ یہ لوگ انہیں کلمہ سکھاتے تھے۔ سنا ہے کہ ان کے نام بھی آدھے ہندوانہ اور آدھے اسلامی ہوتے تھے۔ ایسے ہی ایک بڑے بزرگ لاہور میں بھی گزرے ہیں جن کا نام مادھو لال حسین تھا۔ ان کا عرس

بھی دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ میوات کے مسلمان شادی کے موقع پر کہتے کہ اچھا جی ''مولبی جی'' کو بلا لو۔ لفظ مولوی وہ صحیح طرح سے نہیں کہہ سکتے تھے۔ بہرحال ان کی سوچ یہ تھی کہ ایجاب وقبول کے بول تو مولوی صاحب سے پڑھوا دیئے جائیں' لیکن صرف یہ کہنے سے کہ ''میں نے قبول کیا'' بات نہیں بنتی' اب دولہا اور دلہن کو پھیرے بھی دلواؤ' اسی سے پتا چلتا ہے کہ یہ دونوں کسی بندھن میں بندھے ہیں۔ دونوں کے کپڑے کے اندر گرہ لگائی جائے' جس کے بعد وہ سب کے سامنے سات پھیرے لیں۔ اسی سے یقین ہوتا ہے کہ پکی گرہ لگ گئی ہے' ورنہ اس سے پہلے صرف دو بول کہنے سے کیا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نکاح کے موقع پر یہ انتہائی نامعقول بات ہے کہ چھوہارے لڑکے والے لاتے ہیں اور پھر لڑکی والوں سے دعوت کھاتے ہیں۔

اسلام میں شادی کی دعوت صرف ایک ہے' اور وہ ولیمہ ہے۔ اس کے لیے حضورﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ: ((اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ))(۱) ''ولیمہ ضرور کرو چاہے تمہارے پاس ایک ہی بکری ہو''۔ یہ عرب میں مفلس ہونے کی سب سے بڑی علامت تھی۔ وہاں تو بھیڑیں اور بکریاں پالی جاتی تھیں۔ لوگوں کے پاس ان کے ریوڑ ہوتے تھے۔ لیکن فرمایا گیا کہ ایک ہی بکری ہے تو وہی ذبح کرو' گوشت پکاؤ اور کھلاؤ۔ ایک اور جگہ ارشادِ نبویؐ ہے: ((اِذَا دُعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَۃِ فَلْیَاْتِھَا))(۲) ''جب تم میں سے کسی کو ولیمے کی دعوت دی جائے وہ ضرور جائے''۔ اس سلسلے میں مزید جو کچھ فرمایا گیا اس کے ذریعے سے ہمارے دین اور حضورﷺ کے فرمودات میں توازن کا ایک نقشہ سامنے آتا ہے۔ فرمایا: ((بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِیْمَۃِ یُدْعٰی اِلَیْہِ الْاَغْنِیَاءُ وَیُتْرَکُ الْمَسَاکِیْنُ......))(۳) ''سب سے برا کھانا ولیمے کا کھانا ہے جس میں مساکین کو چھوڑ کر مالداروں کو بلایا جاتا ہے''۔ اس لیے کہ ولیمہ تو دراصل اپنے دوستوں' احباب' رشتہ داروں اور قرابت داروں کو خوشی میں شریک کرنے کے

(۱) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب الولیمة حق

(۲) صحیح البخاری' کتاب النکاح' باب حق اجابة الولیمة والدعوة ومن اولم سبعة ایام نحوه

(۳) صحیح مسلم' کتاب النکاح' باب الامر باجابة الداعی الی الدعوة

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ma15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 8 (1,1)

لیے ہوتا ہے۔ لیکن اسی حدیث کا اگلا ٹکڑا ہے: ((فَمَنْ لَمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ)) ''پس جو دعوت پر حاضر نہ ہوا تو اُس نے گویا اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کی''۔ اتنی سخت تاکید ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر تمہارے کسی بھائی نے نکاح کیا ہے اور اس کے پاس ولیمے کے لیے کچھ نہیں تو اپنے گھر سے کھانا لے جاؤ اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھالو۔ یہ خوشی منانے کی ایک علامت ہے۔ ذرا سوچئے کہ نبی ﷺ نے دعوتِ ولیمہ پر اتنی تاکید کی ہے' اگر لڑکی والوں کی طرف سے نکاح کے موقع پر دعوت میں بھی کوئی خیر ہوتا تو کیا آپؐ ہمیں یہ نہ سکھاتے؟ کیا معاذ اللہ بخل سے کام لیتے؟

البتہ اس ضمن میں میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ سعودی عرب میں بھی مسجد میں نکاح نہیں ہوتا' ساری تقریب لڑکی والے کے گھر جا کر ہوتی ہے' جہاں دعوتِ طعام بھی دی جاتی ہے' لیکن اس دعوت کے سارے اخراجات لڑکے والے دیتے ہیں' اور اسے وہ ''وَلِيْمَةُ الْعِرس'' کہتے ہیں۔ میں نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ کچھ احادیث ایسی بھی ہیں جن کی رو سے ولیمہ نکاح کے فوراً بعد بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سعودی عرب میں ایسا ہی کیا جاتا ہے۔ اگرچہ عام یہی ہے کہ ولیمہ خلوتِ صحیحہ کے بعد ہونا چاہیے' بہتر یہی ہے اور ہمارے ہاں بھی یہی رواج ہے۔

بارات ـــــ ایک لعنت

متذکرہ بالا دو باتوں سے ایک تیسرا نتیجہ خود بخود نکل آیا کہ بارات کی لعنت کی نفی ہو گئی۔ میں کس دھڑلّے سے اسے لعنت کہہ رہا ہوں! یہ وہ شے ہے جس کا کوئی ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ احادیث میں' بلکہ عربی میں بارات کا مفہوم ادا کرنے کے لیے کوئی لفظ ہی نہیں! جب سے جوش ملیح آبادی کی کتاب ''یادوں کی بارات'' آئی ہے' مجھے تو اس لفظ ''بارات'' سے انتہائی نفرت ہو گئی ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ نکاح مسجد میں ہو' جس کے لیے لڑکے والے اور لڑکی والے وہیں جمع ہوں اور اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جائیں۔ لڑکی کی رخصتی ہم نے ایک علیحدہ رسم بنا دی ہے کہ اس موقع پر بھی کیا

کچھ ہونا چاہیے۔ لیکن غور طلب معاملہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ ؓ کی رخصتی کیسے ہوئی تھی! پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت علی ؓ کے پاس کوئی ذاتی گھر نہیں تھا۔ وہ فقرائے صحابہ میں سے تھے۔ ایک انصاری صحابیؓ نے انہیں حجرہ دیا' جس میں حضرت فاطمہ ؓ رخصت ہو کر گئیں۔ اس موقع پر حضور ﷺ ہی کے گھر کی کچھ مستورات جا کر انہیں وہاں پر چھوڑ کر آئیں' لڑکے والوں کی طرف سے خود لڑکا بھی نہیں آیا۔ ذرا سوچئے کہ جب کچھ لوگ آئیں گے تو پھر کسی تقریب کا اہتمام بھی کرنا پڑے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آئیں اور آپ ان کی خاطر تواضع کا انتظام نہ کریں۔ پھر یہی چیز بڑھتے ہوئے ایک پوری رسم بن جائے گی۔ چنانچہ بارات کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔

جہیز —— ایک ہندوانہ تصور

جہیز نام کی کوئی چیز قرآن و سنت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ خالصتاً ہمارے ہندوانہ پس منظر کی پیداوار ہے۔ ہندوؤں کے ہاں جہیز اس لیے ہے کہ وراثت میں لڑکی کا کوئی حصہ نہیں۔ وارث صرف لڑکے ہوتے ہیں۔ بلکہ راجپوتوں میں اور ہمارے ہاں جاگیرداروں میں بھی روایت یہ ہے کہ جائیداد بیٹوں میں بھی تقسیم نہیں ہوتی' کیونکہ اس طرح تو وہ تقسیم در تقسیم کے باعث چھوٹی سی ملکیت رہ جائے گی' پھر رعب و دبدبہ کہاں رہے گا؟ سو مربع زمین اگر دو بیٹوں میں تقسیم ہو گئی تو ہر ایک کے حصے میں پچاس پچاس مربع آئے۔ پھر اگر ان کے چار چار بیٹے ہوئے تو کیا رہ گیا! اب وہ شان کہاں رہے گی! لہٰذا صرف بڑا بیٹا وارث ہوتا ہے' باقی سب اس کے کمّی کاری' جبکہ لڑکیوں کے لیے تو کوئی سوال ہی نہیں کہ وراثت میں حصہ ہو۔ لہٰذا جب وہ اسے گھر سے رخصت کرتے تھے تو اُس وقت کچھ دے دلا دیتے تھے۔ اس کو وہ ''دان دہیج'' کہتے تھے کہ یہ ہم خیرات دے رہے ہیں' ورنہ یہاں لڑکی کا حق کوئی نہیں۔ یہ ہے جہیز کا پس منظر! پھر چونکہ عام طور پر لوگ چھوٹی چھوٹی بستیوں اور دیہات میں رہتے تھے اور ہندوؤں میں یہ رواج بھی ہے کہ شادی کسی دُور کے خاندان سے کرو' قریب میں نہ کرو' لہٰذا جہیز سے لدے پھندے مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آتے ہوئے راستے میں چوری چکاری اور

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\ma15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 9 (1,1)

ڈاکے کا خطرہ رہتا تھا۔ اس کے لیے جتھا لے کر جانے کی ضرورت ہوئی‘ جسے بارات کا نام دیا گیا۔ یہ درحقیقت مالِ غنیمت بحفاظت لانے کا بندوبست ہے۔

اسلام میں جہیز کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ البتہ اس معاملے میں ہمارے ہاں بھی ایک مغالطہ ہے‘ اسے سمجھ لیجیے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کے وقت جو سامان دیا گیا‘ اس پر جہیز کے لفظ کا اطلاق جنہوں نے بھی کیا ہے اُمت پر ظلم ڈھایا ہے۔ آج حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی بنیاد پر لاکھوں‘ کروڑوں روپے کا جہیز دیا جا رہا ہے‘ کار دی جا رہی ہے‘ فلیٹ دیا جا رہا ہے۔ ایک کروڑ پتی کے گھر سے نکل کر لڑکی دوسرے کروڑ پتی کے گھر میں جا رہی ہے تو کروڑوں لے کر جا رہی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جہیز کی حقیقت کیا تھی‘ یہ سمجھ لیجیے۔ جب شادی کا وقت آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا: ’’علی! تمہارے پاس مہر دینے کے لیے کچھ پیسے ہیں؟‘‘ عرض کیا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ وہ فقرائے صحابہ میں سے تھے‘ جیسے حضرات ابودرداء‘ سلمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ درویش صحابہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ’’تمہارے پاس ایک زرہ ہوتی تھی‘‘۔ انہوں نے کہا وہ تو ہے۔ (اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب نفی میں اس لیے دیا تھا کہ زرہ کوئی دنیاوی دولت نہیں ہے‘ وہ تو جہاد کے لیے ایک اسلحہ ہے۔) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اسے بیچو یا گروی رکھ کر قرض لے کر آؤ۔ اس لیے کہ مہر تو بہرحال دینا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ اپنی زرہ لے کر بازار گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ تیس (یا بعض روایات کے مطابق تین سو) درہم میں خرید لی۔ عجیب بات دیکھئے کہ حضرت عثمانؓ نے چند دنوں کے بعد اسے ہدیتاً واپس کر دیا۔ خرید اس لیے لی تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ویسے کچھ رقم کی پیشکش کرتے تو اُن کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچتی کہ مجھے خیرات دے رہے ہیں۔ چنانچہ اُس وقت دراہم کے عوض خرید کر بعد میں ہدیتاً پیش کر دی۔ حضرت علیؓ نے وہ پیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر رکھ دیئے۔ اس رقم کا کچھ حصہ آپؐ نے گھر کے اندر بھجوا دیا تاکہ دلہن کو تیار کرنے کے لیے کسی اچھے لباس اور خوشبو کا انتظام کیا جا سکے۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ma15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 10 (1,1)

چاہے زیادہ ہو‘ اس کی تقسیم لازماً ہوگی۔ بیٹے کا حق بیٹی سے دوگنا ہے۔ وراثت میں لڑکی کا حق ہونے میں کوئی شک نہیں‘ لیکن منطقی طور پر مَیں یہ کہتا ہوں کہ اگر بیٹی کا کوئی حق نہ ہوتا تب بھی ٹھیک تھا۔ دیکھئے‘ شادی اگرچہ لڑکی کی بھی ضرورت ہے اور لڑکے کی بھی‘ عورت بغیر شوہر کے اور مَرد بغیر بیوی کے نامکمل ہیں‘ لیکن مہر لڑکا دیتا ہے۔ اسی طرح نان نفقہ کا ذمہ دار بھی لڑکا ہے۔ لڑکی پر تو کوئی مالی بوجھ ہے ہی نہیں۔ اس لیے اگر وراثت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوتا تب بھی یہ بات محالِ عقلی نہیں تھی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا‘ شریعت اسلامی نے عورت کو وراثت میں حصہ دار بنایا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ لڑکے کے مقابلے میں اسے آدھا ملے گا۔ اسی طرح باپ کے مقابلے میں ماں کو آدھا ملے گا۔ بہرحال جس معنی میں جہیز آج ہمارے ہاں رواج پا چکا ہے‘ یہ شریعت کے بالکل منافی ہے۔

اسلامی معاشرت کا ایک اہم فلسفہ

یہ جو چار چیزیں میں نے بیان کی ہیں ان سب میں اگر آپ غور کریں اور بین السطور پڑھنے کی کوشش کریں تو پتہ چلے گا کہ اصل فلسفہ یہ ہے کہ شادی کے معاملے میں لڑکی والے پر ایک پیسے کا بھی بوجھ نہ ہو۔ آخر والدین نے بچی کو پالا پوسا ہے‘ تعلیم دلائی ہے‘ کوئی تہذیب دی ہے‘ اب وہ لڑکی آپ کے حوالے کر رہے ہیں۔ یہ انتہائی بے شرمی اور بے غیرتی ہے کہ آپ اُن سے مزید کچھ طلب کریں۔ اس لیے سارا بوجھ لڑکے والے پر ہے‘ کیونکہ گھر اس کا آباد ہو رہا ہے۔ لہٰذا مہر وہ دے گا‘ ولیمہ وہ کرے گا‘ نان نفقہ کا ذمہ دار وہ ہوگا‘ لڑکی والے کا خرچ صفر۔ نہ اس کے گھر پر بارات آنی ہے‘ نہ اس نے کوئی شامیانے لگانے ہیں‘ نہ کسی دعوتِ طعام کا انتظام کرنا ہے‘ نہ اسے چھوہارے تقسیم کرنے ہیں۔ یہ ایک انتہائی انقلابی تصور ہے جو میں آپ کے سامنے دلائل کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ اسلام کی معاشرت کا یہ فلسفہ ہے کہ شادی بیاہ کے اندر لڑکی والے پر کوئی بوجھ نہ آئے۔ اگر کسی کی چار پانچ بیٹیاں ہیں تو اسے ان کی شادی کے لیے فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسے کوئی خرچہ نہیں کرنا ہے۔ مالی بوجھ سارے کا سارا لڑکے والے اٹھائیں گے۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms15-03.inp 8/22/2014 3:03 PM PAGE 11 (1,1)

کھڑے ہو کر دیا جاتا تھا اور یہی اس کا صحیح طریقہ ہے۔ میں بھی خطبۂ نکاح کھڑے ہو کر دیتا رہا ہوں‘ لیکن اب کمر کی تکلیف کی وجہ سے معذور ہوں جس کی وجہ سے بیٹھ کر خطبہ دینا پڑتا ہے۔ خطبے کے ساتھ کم سے کم اس کا ترجمہ اور کچھ وضاحت بھی بیان کی جانی چاہیے‘ جیسے جمعہ کے اجتماع میں عربی خطبہ بھی پڑھا جاتا ہے لیکن اس سے پہلے کوئی وعظ ونصیحت اور تعلیم وتلقین بھی ہوتی ہے۔ البتہ آج کل اکثر وبیشتر دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ یا تو اختلافی مسائل پر دھواں دار تقریریں ہوتی ہیں یا پھر سیاسی مسائل کو موضوع بنایا جاتا ہے۔

خطبۂ جمعہ کے بارے میں مسلم شریف کی روایت ہے: كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا ”حضور ﷺ کے دو خطبے ہوتے تھے جن کے درمیان آپ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھتے تھے“۔ جیسے ہمارے خطیب بیٹھتے ہیں۔ یہ بیٹھنا کسی تھکان کی وجہ سے نہیں تھا‘ بلکہ درحقیقت یہ علامت ہے کہ دو خطبے ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ اس لیے کہ ظہر کی چار رکعتیں ہوتی ہیں جبکہ جمعہ میں دو رکعتیں ہیں اور دو رکعتوں کے قائم مقام یہ دو خطبے ہیں۔ اس خطبے میں آنحضور ﷺ کرتے کیا تھے؟ يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ (۱) ”حضور ﷺ اس میں قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو تذکیر کرتے تھے“۔ خطبے کے اندر آپ ﷺ لمبی لمبی سورتیں پڑھتے تھے‘ جیسے سورۂ قٓ‘ سورۃ القیامۃ اور سورۃ السجدۃ پوری پوری تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ سننے والوں کی زبان عربی تھی‘ اس لیے تذکیر خود بخود ہو جاتی تھی۔ اِدھر حضور ﷺ کے قلب مبارک سے بات نکلتی اُدھر اُن کے دلوں میں اتر جاتی۔ لیکن اب خطبۂ نکاح کے ساتھ اس کا ترجمہ اور کسی نہ کسی درجے میں اس کا مفہوم بھی بیان ہونا چاہیے۔ اب میں آپ کے سامنے خطبۂ نکاح کی وضاحت کرتا ہوں۔ (جاری ہے)

---

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الجمعۃ‘ باب ذکر الخطبتین قبل الصلاۃ وما فیھما من الجلسۃ

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ma13-05-a.inp 8/22/2014 3:00 PM PAGE 1 (1,1)

مغرب چشیدم......اور...... نشستم بانکویانِ فرنگی)‘ مگران پر مغربیت کا رنگ نہ چڑھ سکا:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف (۱)

اقبال ابھی یورپ ہی میں تھے کہ ’’مغرب‘‘ سے منحرف ہوگئے۔

اقبال کی شخصیت داخلی طور پر تربیت وتہذیب یافتہ‘ منظّم اور توانا تھی‘ انہیں یورپی تمدن کا ظاہری طمطراق‘ مادّی آسائشیں اور چمک دمک متاثر نہ کر سکی۔ شخصی حیثیت میں وہ مغرب کے جس قدر قریب ہوئے‘ ان کے ذہن میں اس کے خلاف ایک ناقدانہ ردّعمل پیدا ہوتا گیا۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس صورتِ حال کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

’’مغربی تعلیم وتہذیب کے سمندر میں قدم رکھتے ہوئے وہ جتنا مسلمان تھا‘ اس کے منجدھار میں پہنچ کر اس سے زیادہ مسلمان پایا گیا۔ اس کی گہرائیوں میں جتنا اترتا گیا‘ اتنا ہی زیادہ مسلمان ہوتا گیا‘ یہاں تک کہ اس کی تہہ میں جب پہنچا تو دنیا نے دیکھا کہ وہ قرآن میں گم ہو چکا ہے اور قرآن سے الگ اس کا کوئی فکری وجود باقی ہی نہیں رہا۔‘‘(۲)

اقبال کا یہ ردِّعمل بالکل فطری تھا۔ وہ ایک ایسے مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے اور پروان چڑھے جو اسلام کی بہترین روایات واقدار کا امین تھا۔ کہنا چاہیے کہ وہ فطرتاً‘ طبعاً‘ افتاداً‘ ذہناً اور تربیتاً مشرقی اور اسلامی تھے۔ قیامِ یورپ کے مشاہدات نے علامہ کو ۱۹۰۷ء ہی میں یہ کہنے پر مجبور کر دیا ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا (۳)

[خیال رہے کہ شپنگلر کی زوالِ مغرب کی پیشین گوئی بہت بعد میں سامنے آئی۔]

آئندہ تیس برسوں میں بھی اقبال نے اپنے نتائج میں کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں کی:

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا‘ وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ (۴)

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہ گزرِ سیل بے پناہ میں ہے (۵)

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب — کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید — ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف (۸)

اقبال نے تہذیبِ حاضر کو اس کے باطن میں اتر کر اور گہرائی میں جا کر دیکھا تو ان پر اس کی اصلیت ظاہر ہوئی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کی خیرہ کن چمک دمک اور صناعی فقط چند جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے:

نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی برّاقی (۹)

اس سلسلے میں بالِ جبریل کی نظم ''لینن'' میں ہمیں ایک نہایت جامع تبصرہ ملتا ہے:

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے — حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
رعنائی تعمیر میں' رونق میں' صفا میں — گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں بینکوں کی عمارات
ظاہر میں تجارت ہے' حقیقت میں جوا ہے — سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ علم' یہ حکمت' یہ تدبّر' یہ حکومت — پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس — کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات؟
وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہو محروم — حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت — احساسِ مروّت کو کچل دیتے ہیں آلات (۱۰)

بنیادی بات یہ ہے کہ تہذیب مغرب کی بنیاد الحاد و لادینیت پر ہے: ع

لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مئے لا سے

اقبال کے نزدیک الحاد جملہ برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے منطقی نتائج بہت دور رس ہیں۔ نہ معاد کا تصور' نہ فکرِ آخرت' بس دو دن کی زندگی ہے: ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست''......اور: ''چلو تم ادھر کو' ہوا ہو جدھر کی''......لادینی طرزِ فکر و عمل کا نتیجہ اہل یورپ کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوا:

یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد — زیرِ گردوں' رسمِ لادینی نہاد (۱۱)

عہدِ جدید کا متمدن اور مہذب انسان ہر ہر قدم پر منفعتِ مادّی کا طلب گار ہے۔ زراندوزی کے لیے طرح طرح کی مالیاتی اجتماعی سکیمیں' سود' بیمہ' لاٹری' بانڈ اور اشتہار بازی کے ذریعے مضر صحت اور مخربِ اخلاق اشیاء کی مصنوعی طلب آفرینی (۱۲)۔ خدا' مذہب' اخلاق'

آزادیٔ نسواں‘ جمہوریت‘ اشتراکیت‘ ورلڈ بینک‘ آئی ایم ایف‘ جدید ذرائع ابلاغ‘ نیا عالمی نظام‘ عالمگیریت‘ تعمیرِنو‘ کوکاکولا‘ میکڈونلڈ‘ کے ایف سی اور اسی طرح کے دسیوں مختلف ناموں‘ وسیلوں‘ حیلوں بہانوں اور لبھانے والے منصوبوں کے ذریعے اہل مشرق پر جو استعماری یلغار[15] کی ہے‘ اس نے ہمیں کیا دیا ہے؟ کیا سکھایا ہے؟ ع

بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس

ایک روز افزوں ہوسِ زر‘ اخلاقی اقدار کی نفی‘ سنگ دلی‘ عقل کی برتری مگر دل کی خرابی‘ دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بے باک......

خود مغرب کا اپنا کیا حال ہے؟ قمار بازی‘ مے خواری‘ بے حجابی اور زن تہی آغوش۔ مغرب میں مردوں نے اپنی عیش پرستی اور جنسی بے راہ روی کی تسکین کے لیے عورت کو گھر سے نکالا‘ اور نام دیا اسے ''آزادیٔ نسواں'' کا۔ امومت پر جو کاری ضرب لگائی ہے وہ عیش کوشی اور مادی آسائشوں میں زندگی گزارنے کا شاخسانہ ہے‘ مگر اس طرح اس نے مغرب میں خاندانی نظام کی چولیں ہلا دی ہیں۔ اولڈ پیپلز ہوم‘ بن بیاہی مائیں اور مجہول النّسب بچے۔[16]

''Time'' کی ایک سروے رپورٹ (جنوری ۱۹۹۵ء) کے مطابق امریکہ میں ہر اکیسویں منٹ میں ایک قتل ہوتا ہے۔ ہر ۲۰ سیکنڈ میں ایک موٹر چوری ہو جاتی ہے۔ بے حد و حساب ایجادات اور ان کی مدد سے آسائشوں بھری زندگی بجا اور چاند تارے بھی مسخر‘ مگر تسکینِ جسم کے باوجود روح تشنہ اور تنہائی اس کے سوا۔[17] ستاروں کی گزرگاہوں کا تو پتا چل گیا‘ مگر دل کی دنیا بدستور تاریک ہے۔ بیسیوں مغربی مفکر اور فلسفی اس لادین تمدن کی ناکامی کی گواہی دے رہے ہیں مگر مغرب اپنی پوری استعماری قوت اور وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں بھی اسی تہذیبی بربادی‘ خاندانی تباہی اور روحانی و اخلاقی دیوالیہ پن سے دوچار کرنے میں لگا ہوا ہے۔

علامہ اقبال کے زمانے میں مغرب کی تمدنی اور استعماری یلغار کا بڑا مظہر اس کا نوآبادیاتی نظام تھا۔ استعمار نے ایشیا اور افریقہ کی بیشتر اقوام کو اپنی ہوس کے پنجۂ خونیں میں جکڑ رکھا تھا۔ جن قوموں پر سامراجی براہِ راست غلبہ نہ پا سکے انہیں بھی شاطرانہ سیاست‘ عیاری و مکاری اور فریب کاری کے مختلف حیلوں بہانوں کے ذریعے اپنا ذہنی اور ثقافتی غلام بنا رکھا تھا۔ عالمِ انسانی پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ اقبال نے ''پس چہ باید کرد'' میں بڑی

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ma13-05-a.inp 8/22/2014 3:00 PM PAGE 4 (1,1)

نے شرقِ اوسط کے مسلمانوں پر خلیج کی جنگ مسلط کی‘ اور ان کے پاس دولت وحشمت جو کچھ کہ تھی وہ ’’کافر فرنگیوں نے بہ تدبیر کھینچ لی‘‘...... پھر ’’شیوۂ تہذیب نو‘ آدم دری ست‘‘ کا ایک مظاہرہ بوسنیا میں کیا گیا۔ پھر روس کے ذریعے افغانستان میں یہی عمل دہرایا گیا۔ اور آج بھی نہ صرف افغانستان بلکہ عراق‘ کشمیر‘ فلسطین اور شیشان میں درندگی و آدم دری کا یہی کھیل کسی نہ کسی شکل میں‘ براہِ راست یا بالواسطہ جاری ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ بیشتر مسلم حکمران مغرب کی ان مجرمانہ سرگرمیوں پر مہر بلب ہیں اور مغرب کی خوشامد اور چاپلوسی میں لگے ہوئے ہیں۔ اقبال ان سے سوال کرتے ہیں:

دانی از افرنگ و از کارِ فرنگ
تا کجا در قیدِ زنّارِ فرنگ؟ (۲۱)

اور: ع

از کفن دُزداں چہ امّیدِ کشاد؟ (۲۲)

اس مایوسانہ صورتِ حال میں فکرِ اقبال آج بھی ہماری راہنما ہے۔ وہ افراد‘ ادارے‘ تحریکیں اور ممالک قابلِ تحسین ہیں‘ جو اقبال کے ہم آواز ہو کر مغرب کی یلغار کے خلاف مدافعت کر رہے ہیں۔ یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ اس ضمن میں ماضی قریب میں ایران اور سوڈان کا رویہ جرأت مندانہ رہا۔ ترکی میں وزیر اعظم نجم الدین اربکان بھی اپنے مختصر عرصۂ اقتدار میں مغرب کے چنگل سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے رہے مگر لادینی قوتوں نے‘ جنہیں استعماریوں کی پشت پناہی حاصل تھی‘ انہیں رخصت ہونے پر مجبور کر دیا۔

بیسویں صدی کے اِن آخری سالوں میں فکرِ اقبال مغرب کی استعماری یلغار سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمیں‘ یعنی ’’خیرِ اُمت‘‘ کو تنظیمِ نو اور صف بندی کی تلقین کر رہی ہے:

اے امینِ دولتِ تہذیب و دیں   آں یدِ بیضا برآر از آستیں!
خیز و از کارِ اُمم بکشا گرہ   نشۂ افرنگ را از سر بنہ
نقشے از جمعیتِ خاور فگن
واستاں خود را زدستِ اہرمن (۲۳)

حوالے اور حواشی

۱) بال جبریل‘ ص ۴۰۔
۲) ’’حیاتِ اقبال کا سبق‘‘ مشمولہ: جوہر‘ اقبال نمبر‘ مکتبہ جامعہ دہلی‘ طبع دوم ۱۹۴۰ء‘ ص ۶۵‘ ۶۶۔

اگلے دن سیمینار کے دوران چائے کا وقفہ ہوا تو میں نے ممتاز امریکی پروفیسر صاحبان سے اس خبر کا تذکرہ کیا۔ وہ پہلے ہی اس سے آگاہ تھے‘ لیکن جب میں نے ان سے ذکر کیا تو ان کے چہرے خوشی سے ''گلاب کی مانند'' کھل گئے۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے یہ سوال داغ دیا: آپ نے ایک پرندے کی اداسی کی خاطر جنگل کی کٹائی روک کر لکڑی کی قیمت میں اضافہ برداشت کرلیا‘ لیکن چار پانچ ماہ قبل عراق کے معصوم شہریوں پر بموں کی بارش کی جارہی تھی تو آپ کیوں خاموش رہے؟ کیا آپ کو ایک جانور مسلمان کی زندگی سے زیادہ عزیز ہے؟ میرے اس سوال سے چہروں کے رنگ اڑ گئے۔ اس ایک واقعے سے آپ امریکہ کی انسانی حقوق کی کمٹمنٹ کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ (روزنامہ جنگ لاہور‘ ۲۲ جنوری ۱۹۹۳ء)

۱۵) استعمار‘ سرمایہ دارانہ ہو یا اشتراکی‘ اس کی یلغار‘ اس کی چالیں‘ چالبازیاں اور مکاریاں کم و بیش ایک جیسی رہی ہیں۔ معروف اردو شاعر منیر نیازی کے تین شعر ملاحظہ کیجیے:

سب ملاقاتوں کا مقصد کاروبارِ زرگری
سب کی دہشت ایک جیسی‘ سب کی گھاتیں ایک سی
سارے منظر ایک جیسے‘ ساری باتیں ایک سی
سارے دن اب ایک سے ہیں‘ ساری راتیں ایک سی
اب کسی میں اگلے وقتوں کی وفا باقی نہیں
سب قبیلے ایک ہیں‘ اب ساری ذاتیں ایک سی

۱۶) نیوزویک نے جنوری ۱۹۹۷ء میں ''Wedding Bells are not ringing'' کے عنوان سے ایک رپورٹ شائع کی‘ جس کے مطابق پورے یورپ میں باقاعدہ شادی کا رجحان بتدریج کم ہو رہا ہے۔ یونان میں ۳ فیصد‘ اٹلی میں ۷ فیصد اور اسپین میں ۱۰ فیصد لوگ شادی نہیں کرتے۔ جرمنی ۱۵ فیصد‘ پرتگال ۱۷ فیصد‘ آسٹریا ۲۶ فیصد‘ فن لینڈ ۳۱ فیصد اور برطانیہ کے ۳۲ فیصد لوگ شادی کیے بغیر کام چلاتے ہیں۔ شادی نہ کرنے کا سب سے زیادہ رجحان یورپ کے تین خوشحال ترین ممالک میں ہے‘ یعنی ناروے ۴۵ فیصد‘ ڈنمارک ۴۶ فیصد اور سویڈن ۵۰ فیصد۔ قدرتی طور پر نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنے حسب نسب کا علم نہیں ہوتا۔

پولینڈ میں مقیم ایک پاکستانی طالب علم نے اپنے ایک دوست کے حوالے سے ایک عبرتناک مشاہدہ بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں کھانے کے وقفے میں ایک ریستوران میں جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی میرے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی‘ مگر میں نے ''ہوں‘ ہاں'' کر کے اسے ٹال دیا اور اوپر بار میں جا کر بیٹھ گیا۔ چائے کا آرڈر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لڑکی پھر آ کر میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ اب میں نے سوچا کہ میں ذرا اس کی بات سنوں تو‘ یہ بہت پریشان لگتی ہے‘ شاید میں اس کی مدد کرسکوں۔ میں نے سوال کیا: آپ کچھ بات کرنا چاہتی ہیں؟ اس نے کہا: ہاں! میرا ایک بے وقوفانہ سوال ہے۔ بہت سارے افراد سے پوچھ لیا ہے‘ نفی میں جواب ملتا ہے‘ جب کہ میں اس کے مثبت جواب کی تلاش میں ہوں۔ میرا تجسس اور بڑھا اور میں نے اس سے کہا کہ ذرا تفصیل سے بتاؤ۔ اس دوران چائے پہنچ چکی تھی۔ اس نے

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms10-02.inp 8/22/2014 2:59 PM PAGE 1 (1,1)

نے فرمایا: اے غلام! میں اللہ کا رسول ہوں' اسلام لے آؤ۔ آپؓ اسلام لے آئے تو نصیحت فرمائی کہ ابھی اپنے اسلام کو چھپائے رکھنا۔[۷]

آپؓ کے اسلام کی خبر جب قریش کو پہنچی تو آپؓ کو ستایا جانے لگا۔ اُمیہ بن خلف اور بعض دیگر لوگ آپؓ کو دوپہر کی تپتی ہوئی ریت پر لٹاتے اور پھر گھسیٹتے اور اس حال میں ان کا آپؓ سے مطالبہ ہوتا کہ اسلام چھوڑ دو' محمد (ﷺ) کی نہ مانو اور لات وعُزیٰ کو پھر پوجنے لگو۔ آپؓ انکار کرتے اور اس حال میں بھی فرماتے جاتے اَحد' اَحد (خدا ایک ہے' خدا ایک ہے)۔[۸]

ایک روز آپؓ کو اسی طرح ستایا جا رہا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گزر ہوا' انہوں نے آپؓ کی یہ حالت دیکھی تو آپؓ کو خرید کر آزاد کر دیا۔[۹] آپؓ آزاد ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کے گویا غلام ہو گئے' ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ آپؓ کے خادم کی حیثیت سے رہتے' اور گھر کے کاموں کو اکثر آپؓ ہی انجام دیتے۔[۱۰] اسی سلسلے کی ایک ذمہ داری آپؓ پر یہ بھی تھی کہ آپؓ رسول اللہ ﷺ کے مالی معاملات کے ذمہ دار تھے۔ جب تک مکہ میں رہے تب تک یہ ذمہ داری ذاتی نوعیت کی تھی' پھر جب مدینہ آئے اور اسلامی مملکت کی بنیاد پڑی تو آپؓ بیت المال کے ذمہ دار ہوئے۔ آج کل کی اصطلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ پہلی اسلامی حکومت میں وزیر مالیات ہوئے۔ سنن ابی داؤد وغیرہ میں خود حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بیان اسی مضمون کا ہے' فرماتے ہیں: ''بعثت سے لے کر وفات تک حضور ﷺ کے پاس مال کی قبیل کا جو کچھ بھی ہوتا میں ہی اس کا ذمہ دار ہوا کرتا تھا.....''[۱۱] رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے بھی ایسا ہی پتہ چلتا ہے' فرماتے ہیں:

((وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ ثَلَاثُوْنَ مِنْ بَیْنِ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ وَمَالِیْ وَلِبَلَالٍ طَعَامٌ یَاْکُلُهٗ ذُوْ کَبِدٍ اِلَّا شَیْءٌ یُوَارِیْهِ اِبْطُ بَلَالٍ))[۱۲]

''مجھ پر تیس تیس دن (اس حال میں) گزر جاتے تھے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کو کچھ بھی نہ ہوتا' سوائے تھوڑی بہت اس چیز کے جو بلال کی بغل میں ہوتی''۔

اب ہم بعض ایسی روایتیں اور واقعات درج کر رہے ہیں جن سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے اس منصب پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک مرتبہ عید کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خطاب فرمایا' پھر آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ عورتوں تک آواز نہ پہنچی ہوگی' اس خیال سے آپ ﷺ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں وعظ فرمایا جس میں صدقہ اور خیرات کا حکم تھا۔ وعظ ایسا اثر انگیز تھا کہ عورتیں

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\ma10-02.inp 8/22/2014 2:59 PM PAGE 2 (1,1)

ہے‘ جس میں ان کا بیان ہے کہ میں ہر وقت رسول اللہﷺ کے پاس ہی رہا کرتا تھا‘ تبوک میں ایک رات ایسا ہوا کہ میں اپنی ایک ضرورت سے نکلا‘ واپس ہوا تو رسول اللہﷺ کے یہاں کھانا ہو چکا‘ آپؐ اپنے خیمہ میں داخل ہونے جا رہے تھے کہ آپؐ کی نظر مجھ پر پڑی‘ فوراً دریافت فرمایا: کہاں تھے؟ میں نے اپنی بات بتائی۔ اتنے ہی میں جعال بن سراقہ اور عبداللہ بن مغفل بھی آ گئے‘ اب ہم تین ہو گئے‘ اس وقت ہم تینوں بھوکے تھے اور ہم آپؐ کے در پر ہی رہا کرتے تھے۔ رسول اللہﷺ ہمارا کھانا لینے گھر میں داخل ہوئے‘ لیکن وہاں کچھ نہ تھا‘ پھر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو آواز دی کہ ان لوگوں کے کھانے کے لئے کچھ ہے؟ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ ہم نے اپنے سارے برتن تھیلے جھاڑ ڈالے‘ اب کچھ بھی نہیں‘ آپؐ نے فرمایا: اچھا دیکھو‘ ہوسکتا ہے کچھ مل جائے۔ انہوں نے پھر وہی برتن تھیلے دیکھنے شروع کئے‘ اور ایک آدھ کھجور نکلتی گئی‘ یہاں تک کہ سات کھجوریں ہو گئیں‘ آپؐ نے ایک پلیٹ منگائی اور ان میں یہ کھجوریں رکھ کر اپنا ہاتھ پھیرا اور پھر کہا: اللہ کا نام لے کر کھاؤ‘ ہم نے کھانا شروع کیا‘ خود میں نے چوّن (۵۴) کھجوریں کھائی تھیں اور میرے دونوں ساتھیوں نے بھی تقریباً اتنی ہی کھائی ہوں گی‘ اب جب ہم نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو سات کی سات کھجوریں موجود تھیں‘ تو نبی کریمﷺ نے فرمایا: اے بلال! انہیں رکھ لو۔ اسی روایت میں آگے ذکر ہے کہ صبح کے وقت ناشتہ کے لئے پھر آپؐ نے حضرت بلالؓ ہی کو آواز دی۔[۲۰]

ابن عساکر کی اس روایت سے بھی واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہﷺ کی مالیات کے ذمہ دار حضرت بلال ہی تھے کہ آپؐ نے ان صحابہؓ کے لئے جو تعلیم و تربیت کی غرض سے آپؐ ہی کے یہاں رہتے تھے‘ اُن سے کھانے کا انتظام کرنے کے لئے کہا۔

سنن ابی داؤد کے حوالے سے حضرت بلالؓ کی جس روایت کا پہلا جملہ اوپر شروع میں نقل کیا گیا تھا‘ اس میں آگے چل کر کچھ مزید ایسی باتیں ہیں جو آپؓ کے اس منصب پر فائز ہونے کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہم اس روایت کو صحیح ابن حبان کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں کہ اس میں بعض ایسے اضافے ہیں جن سے روایت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

> ’’...... بعثت سے لے کر وفات تک حضورﷺ کے پاس جو کچھ ہوتا‘ اس کا ذمہ دار میں ہی ہوا کرتا تھا‘ اگر آپؐ کے پاس کوئی مسلمان آتا اور آپؐ اس کو کم کپڑوں میں دیکھتے تو مجھے حکم دیتے‘ میں جاتا‘ کسی سے قرض لیتا اور اس کے لئے کپڑوں اور کھانے کا انتظام کرتا۔ اسی دوران ایک دن مجھ سے ایک مشرک نے روک کر کہا: اے بلال!

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\ma10-02.inp 8/22/2014 2:59 PM PAGE 3 (1,1)

خدمت میں حاضر ہوا' (راستے میں) کیا دیکھتا ہوں کہ چار اونٹ مال سے لدے ہوئے موجود ہیں۔ میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا' اجازت چاہی' آپؐ نے مجھ سے فرمایا: خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے تمہاری ادائیگی کا انتظام فرما دیا ہے۔ میں نے الحمدللہ کہا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ یہ اونٹ اور ان پر جو کچھ کھانا کپڑا ہے' تمہارے حوالے ہے' فرماں روائے فدک نے بطور ہدیہ بھیجے ہیں' انہیں لو اور اپنا قرض ادا کر دو۔ حضرت بلالؓ کا کہنا ہے کہ میں وہاں سے چلا' ان پر سے سامان اتارا اور ان اونٹوں کو باندھا' پھر آ کر فجر کی اذان دی۔ پھر جب رسول اللہﷺ نے نماز پڑھ لی تو میں بقیع (کے بازار) گیا اور کانوں میں انگلیاں دے کر (زور سے) ندا لگائی کہ جس کا کوئی قرض رسول اللہﷺ کے ذمہ ہو آ کر لے جائے۔ میں مستقل سامان بیچتا رہا اور قرض ادا کرتا رہا' یہاں تک کہ (سب قرض ادا ہو گیا اور) میرے پاس ڈیڑھ یا دو اوقیہ بچ رہے۔ میں مسجد آیا' دن کا اکثر حصہ گزر چکا تھا اور رسول اللہﷺ مسجد میں اکیلے تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا' آپؐ نے فرمایا: کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: اللہ نے اپنے رسول کا سارا قرض ادا کر دیا' اب کچھ باقی نہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے پاس کچھ بچا ہے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: دیکھو (اسے کسی کو دے کر) اس کی جانب سے مجھے بے فکر کر دو۔ پھر عشاء کی نماز کے بعد حضورﷺ نے بلایا اور فرمایا: کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا: میرے پاس موجود ہے' کوئی لینے آیا ہی نہیں۔ آپﷺ نے بے چینی سے پوری رات مسجد میں ہی گزار دی اور دوسرا دن بھی۔ دن کے آخر میں دو لوگ آئے' میں ان کو لے کر گیا' ان کے کپڑے اور کھانے کا انتظام کیا۔ آپﷺ نے عشاء کی نماز کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا: کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ نے آپ کو اس کی جانب سے بے فکر کر دیا ہے......"(۲۱)

سچ یہ ہے کہ یہ روایت حضرت بلال کے اس منصب پر فائز ہونے کے ثبوت کے لئے کافی ہے' اس کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں رہ جاتی' کہ اس میں بار بار ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مالیات سے متعلق تمام ذمہ داری آپؓ کے ہی کاندھوں پر تھی' رسول اللہﷺ کسی کو کچھ نوازنا چاہتے تو آپؓ کو حکم دیتے' اگر بالفرض کچھ نہ ہوتا تو آپؓ ہی رسول اللہﷺ کی جانب سے قرض لیتے' پھر ادائیگی کی فکر بھی آپ ہی کرتے اور کچھ مال آتا تو حضورﷺ اس کو آپ کے ہی حوالہ کر دیتے' ان سب امور پر یہ روایت دلالت کرتی ہے۔

E:\Ma-2005\Meezaan_PDF_2005\meezag april05\mal0-02.inp 8/22/2014 2:59 PM PAGE 4 (1,1)

(جو کہ اس عہد کی روایت و قانون کے مطابق مال ہی ہوا کرتے تھے) کی ذمہ داری بھی حضرت بلالؓ ہی کے حوالے تھی۔

ان تمام روایات سے واضح ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شعبۂ مالیات کے ذمہ دار تھے۔ یہ ذمہ داری دو نوعیت کی تھی' ذاتی بھی اور اسلامی مملکت کی بھی۔ مملکت کی ضروریات کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اخراجات کے لئے مالیات کی فکر زیادہ تر وہی کرتے تھے۔ بعض اوقات مالیات کی فراہمی بھی وہی کرتے اور پھر ادائیگی کی فکر بھی۔ لوگوں کو عطایا ان ہی کے ہاتھ سے ملتے' آنے والوں کی (جو عام طور پر ریاست کے مہمان ہوتے تھے) مہمان نوازی بھی آپ ہی کے ذمہ تھی۔

قربان جایئے اس نبیؐ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس نے ایک حبشی غلام کو' جو مکہ میں بکریاں چرانے پر مامور تھا' ایسی عزت بخشی کہ بڑے بڑوں کی اُن کے ہاتھ سے تالیفِ قلب ہوتی رہی۔

حواشی

۱) احمد بن یحییٰ البلاذری: انساب الاشراف' تحقیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ' دار المعارف مصر' ج ۱' ص ۱۸۴

۲) احمد بن یحییٰ البلاذری: انساب الاشراف' تحقیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ' دار المعارف مصر' ج ۱' ص ۱۸۴

۳) محمد بن سعد: الطبقات الکبریٰ' دار صادر بیروت' ج ۳' ص ۲۳۲۔

۴) ابن منظور: مختصر تاریخ دِمشق لابن عساکر' دار الفکر' طبع اول ۱۹۸۴ء' ج ۵' ص ۲۵۴۔

۵) مختصر تاریخ دِمشق' ج ۵' ص ۲۶۷

۶) سنن ابن ماجہ' مقدمہ' فضل سلمان وابی ذر والمقداد' حدیث ۱۵۰۔

۷) مختصر تاریخ دِمشق' ج ۵' ص ۲۵۴' ۲۵۵۔

۸) ابن اثیر: اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ' دار احیاء التراث العربی' ج ۱' ص ۲۰۶۔ ابن سعد: ج ۳' ص ۲۳۲۔ انساب الاشراف' ج ۱' ص ۱۸۴۔

۹) انساب الاشراف' ج ۱' ص ۱۸۴' ۱۸۵۔ ابن سعد: ج ۳' ص ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ اسد الغابۃ: ج ۱' ص ۲۰۷۔

۱۰) ملاحظہ ہو کتب تراجم وطبقات میں آپ کے حالاتِ زندگی۔ اسد الغابہ: ج ۱' ص ۲۰۶۔ ابن سعد: ج ۳' ص ۲۳۲۔ انساب الاشراف' ج ۱' ص ۱۸۴

۱۱) سنن ابی داؤد' کتاب الخراج والامارۃ والفئی' باب فی الامام یقبل ھدایا المشرکین' حدیث ۳۰۵۵۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms18-03.inp 8/22/2014 3:04 PM PAGE 1 (1,1)

غیر مسلم مفکرین کی آراء کی روشنی میں اسلام کی عظمت کو دیکھیں تو بقول شاعر ؎

رنگِ گل کا ہے سلیقہ نہ بہاروں کا شعور
ہائے کن ہاتھوں میں تقدیرِ حنا ٹھہری ہے!

کے مصداق یہ تو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اندھے کو اگر روشنی نظر نہیں آتی تو یہ سورج کا قصور نہیں ہے' بلکہ اس کی بصارت کا قصور ہے جو روشنی سے خالی ہے۔ اگر مسلم اُمہ اس نظام کو یکسر نظر انداز کر کے جمہوریت' حقوقِ انسانی اور مساوات کے پُر فریب نعروں اور سیکولرزم سے متاثر ہو چکی ہے تب بھی اہل بصیرت سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ہر رات کے بعد بالآخر صبح تو آنی ہے' تاریکیوں میں روشنی کی اُمید پنہاں ہے' کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے نظام' اپنے فکر و فلسفہ' اپنے نظامِ معیشت کو غالب کرے گا۔ اہل بصارت سے تو ہو سکتا ہے یہ بات پوشیدہ رہے مگر اہل بصیرت سے نہیں۔ آیئے چند غیر مسلم مفکرین کی آراء دیکھتے ہیں جو محمد عربی ﷺ کی عظمت' قرآن کی صداقت اور اسلام کی حقانیت کی دلیل ہیں۔

مشہور مؤرخ ڈاکٹر گستاوؔلی بان ''تمدنِ عرب'' میں عظمت و جلالتِ اسلام کے بارے میں رقم طراز ہیں:

> ''تمدن کے لحاظ سے بہت کم اقوام عربوں پر سبقت لے گئی ہیں۔ کسی قوم نے اتنے تھوڑے زمانے میں علمی ترقی نہیں کی۔ مذہبی لحاظ سے انہوں نے دنیا کے مذاہب میں سے ایک بہت بڑے مذہب کی بنیاد ڈالی ہے' وہ مذہب جو اِس وقت بھی سب سے زیادہ زندہ ہے۔ ملکی لحاظ سے انہوں نے تاریخِ عالم کی حکومتوں میں سے ایک بہت بڑی حکومت قائم کی۔ دماغی اور اخلاقی لحاظ سے انہوں نے یورپ کو متمدن بنایا۔ بہت کم اقوام اس قدر بلندی پر پہنچی ہیں' لیکن بہت کم اقوام ہیں جو اِس قدر پست ہوگئی ہوں......''

اس چھوٹے سے اقتباس میں بہت خوبصورتی کے ساتھ ایک پُر مغز' صاحب بصیرت مفکر نے مسلم اُمہ کا تجزیہ کیا ہے۔

اسلام نے حکمرانی کا جو تصور اور بقول خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق ؓ ''سیدُ القومِ خادمُھم'' کا نظریہ پیش کیا اور خلفائے راشدین نے اس کی عملی تصویر پیش کی' اس نے حکمران اور عوام کے باہمی تعلقات کو ایک نئی روشنی اور ایک نئی جہت عطا کی۔ عزت واحترام کا وہ تصور جو صدیوں سے دنیا میں رائج تھا' خلفائے راشدین کے عمل نے اس تصور کو باطل ثابت کر دیا۔ چنانچہ مساواتِ انسانی نے یہ رنگ بھی دیکھا کہ خلیفہ کا معیارِ زندگی معاشرے کے پست ترین

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\ma18-03.inp 8/22/2014 3:06 PM PAGE 2 (1,1)

معاشرت باقاعدہ اصول پر قائم ہوگئی۔ اور اگر یہاں بھی مثل اور حکومتوں کے بے انصافیاں تھیں تو انصافِ الٰہی نے اس کی سختیوں کو کم کر دیا اور حیاتِ جاودانی کی امید و امنگ جو آسودگی پیدا کرنے والی اور مصائب کا معاوضہ دینے والی تھی‘ مظلوم کو اپنی مظلومیت پر قانع کر دیتی۔ یہ ہیں وہ فوائد جو مذہب اسلام نے ان غیر مذہب اقوام کو پہنچائے ہیں‘‘۔

ان تمام تعلیمات کا مرکز و محور قرآن کریم ہے۔ یہ ایک ایسی آسمانی کتاب ہے جس میں اہل بصیرت کے لئے رشد و ہدایت کے خزانے پوشیدہ تھے‘ ہیں اور رہیں گے۔ دنیا کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو اپنی پہلی حالت میں ہو حتیٰ کہ تورات و انجیل میں بھی کانٹ چھانٹ ہوئی‘ یہ بات تمام اہل علم جانتے ہیں۔

قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے لیا ہے اور یہ اس کا اعجاز اور برتری ہے جو تاقیامت اپنی اس منفرد حیثیت کو برقرار رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنی پیغام کو غالب کرنے کا وعدہ ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾ (الصف)

’’وہی ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے ہر دین پر غلبہ دے‘ چاہے مشرکوں کو یہ ناپسند ہو‘‘

اس ربّانی پیغام کی گواہی اور صداقت کو ہر صاحبِ بصیرت آج کے موجودہ زمانہ میں اسلام کے پھیلاؤ کی صورت میں دیکھ سکتا ہے۔ قرآن کریم کی فطری تعلیمات ہی انسانیت کے موجودہ مسائل کو حل کر سکتی ہیں۔ اس آیت کریمہ کی شہادت ہم غیر مسلم مفکرین کے اقوال میں دیکھتے ہیں۔ مشہور ہندوستانی شخصیت ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کہتے ہیں:

’’وہ وقت دُور نہیں جب قرآن کریم اپنی مسلّمہ صداقتوں اور روحانی کرشموں سے سب کو اپنے اندر جذب کر لے گا۔ وہ زمانہ بھی دُور نہیں جب اسلام ہندومت پر غالب آجائے گا اور ہندوستان میں صرف ایک ہی مذہب اسلام ہوگا‘‘۔

یقیناً یہ اقتباس ایک صاحب بصیرت کا ہے‘ اس میں کوئی شک نہیں‘ کیونکہ یہ قرآن کی بیان کردہ اس آیت کی شہادت دیتا ہے اور اس عالمگیر حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو مذکورہ بالا آیت میں بیان ہوئی ہے۔ ایک اور مشہور ہندو شخصیت مسز سروجنی نائیڈو کا بیان ہے:

’’قرآن کریم غیر مسلموں سے بے تعصبی اور رواداری سکھاتا ہے۔ اس کے اصول کی

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms18-03.inp 8/22/2014 3:04 PM PAGE 3 (1,1)

مشہور یورپی فاتح نپولین بونا پارٹ نے اپنے جنگی ذوق کے مطابق آپ ﷺ کی شخصیت کو اِن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

''حضرت محمد (ﷺ) دراصل سردارِ عالم تھے۔ آپؐ نے اہل عرب کو اتحاد کا درس دیا اور اُن کی آپس کی عداوت اور نا چاقی کو ختم کیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپؐ کی اُمت نے نصف دنیا کو فتح کر لیا اور جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش کرنے والوں نے اس مذہب سے متاثر ہو کر مٹی کے بُتوں اور صنم خانوں میں رکھی ہوئی دوسری مورتیوں کو ختم کر دیا۔ یہ سب حضرت محمد (ﷺ) کی تعلیم سے ہوا''۔

مہاتما گاندھی برعظیم پاک و ہند کی ایک تاریخ ساز شخصیت ہیں۔ مہاتما گاندھی نے اسلام کا خاصا گہرا مطالعہ کیا تھا اور چونکہ اُس دَور میں مسلمان علماء کی بڑی تعداد کانگریس میں تھی لہٰذا اُن کے ساتھ میل ملاپ سے بھی مہاتما گاندھی کو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں۔ آپؐ کی شخصیت کو مہاتما گاندھی نے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

''حضرت محمد (ﷺ) ایک بڑے پیغمبر تھے' جنہیں خدا کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ حضرت محمدؐ اور ان کے خاندان کا مطالعہ کرتا ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔ حضرت محمد (ﷺ) کی زندگی فقیرانہ تھی' آپؐ دنیا میں بڑی سے بڑی دولت جمع کر سکتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی سادگی' انکساری' خلوص اور فرض شناسی نے ہر ایک کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ خدا پر مکمل بھروسہ ہی نے تلوار کے زور کے بغیر آپؐ کو اسلام کی اشاعت میں کامیاب بنایا اور یہی وہ اوصاف ہیں جن کی مدد سے تمام رکاوٹوں اور پابندیوں کے باوجود مسلمان پیش قدمی کرتے چلے گئے''۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت عیسائی دنیا کے لئے روئے ارضی پر سب سے معتبر شخصیت پوپ کی تھی۔ لیکن عیسائی دنیا خود اُس وقت پوپ کی چیرہ دستیوں کا شکار تھی اور مذہب کے لبادے میں پوپ نے اسے غلامی میں جکڑا ہوا تھا۔ لامحالہ اس وقت کے عیسائیوں نے آپ ﷺ کی شخصیت کا تجزیہ اپنے مذہبی رہنما کے ساتھ کیا ہوگا' جس کی ایک جھلک ہمیں الفرڈ ڈی لیمر ٹائن بی کے اس اقتباس میں ملتی ہے:

''......فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار' پیغمبر اسلام اور اسلامی حکومت کے بانی حضرت محمد (ﷺ) کے سامنے پوری انسانیت کی عظمت بھی ہیچ ہے۔ آپ (ﷺ) دنیا میں پیغمبر کی حیثیت سے تشریف لائے۔ آپ جولیس سیزر کی طرح سلطنت کے

(باقی صفحہ 79 پر)

E:\Ma-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:57 PM PAGE 1 (1,1)

(۲) نیت: یعنی دل میں خاص نماز کی ادائیگی کا ارادہ۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ)) (۱)

''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

(۳) تکبیر تحریمہ کہنا: یعنی اللہ اکبر کے لفظ سے نماز میں داخل ہونا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

((مِفْتَاحُ الصَّلَاۃِ الطُّھُوْرُ وَتَحْرِیْمُھَا التَّکْبِیْرُ وَتَحْلِیْلُھَا التَّسْلِیْمُ)) (۲)

''نماز کی کنجی وضو ہے اور اس کی پابندیاں لگانے والی چیز تکبیر اور پابندیاں ختم کرنے والی چیز سلام ہے۔''

(۴) سورۂ فاتحہ کی تلاوت: آنحضرتﷺ کا فرمان ہے:

((لَا صَلَاۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ)) (۳)

''اس کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۃ فاتحۃ الکتاب نہیں پڑھی۔''

لیکن جب امام بلند آواز سے قراءت کر رہا ہو اُس وقت مبتدی پر سے اس کی فرضیت ختم ہو جاتی ہے' کیونکہ مقتدی کو امام کی قراءت خاموشی سے سننے کا حکم ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا ......﴾ (الاعراف: ۲۰۴)

''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے سنو اور خاموش رہو۔''

ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا کَبَّرَ الْاِمَامُ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا)) (۴)

''جب امام تکبیر کہے تو تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو خاموش رہو۔''

لیکن جب امام سراً تلاوت کرے تو مقتدی کے لئے فاتحہ کی تلاوت واجب ہے۔

---

۱) صحیح البخاری' کتاب بدء الوحی' باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہﷺ۔

۲) سنن ابی داوٗد' کتاب الطھارۃ' باب فرض الوضوء۔ وجامع الترمذی' ابواب الطھارۃ' باب ما جاء ان مفتاح الصلاۃ الطھور۔

۳) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب وجوب القراء ۃ للامام والمأموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجھر فیھا وما یخافت۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب وجوب الصلاۃ فی کل رکعۃ۔

۴) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب التشھد فی الصلاۃ۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:57 PM PAGE 2 (1,1)

اطمینان کا مطلب یہ ہے کہ رکوع‘ قومہ‘ سجدہ اور جلسہ میں کم از کم اتنی دیر اس کے اعضاء اپنی جگہ ٹھہرے رہیں جتنی دیر ایک بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمُ کہا جا سکے۔ اتنا ٹھہرنا فرض ہے۔ اس سے زیادہ ٹھہرنا سنت ہے۔

(۱۰) سلام پھیرنا۔

(۱۱) سلام کے لئے بیٹھنا: یعنی نمازی سلام کے بغیر نماز سے فارغ نہیں ہو سکتا۔ اور سلام بیٹھ کر ہی پھیرنا ضروری ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((تَحْلِیْلُھَا التَّسْلِیْمُ)) (۱)

''نماز کی پابندیاں اٹھانے والی چیز سلام ہے۔''

(۱۲) نماز کے ارکان کو ترتیب سے ادا کرنا: مثلاً تکبیر تحریمہ سے پہلے فاتحہ نہ پڑھے‘ رکوع سے پہلے سجدہ نہ کرے۔ کیونکہ نماز کے اعمال کی ترتیب رسول اللہ ﷺ سے سیکھی گئی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے یہ ترتیب سیکھی اور سکھائی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ)) (۲)

''نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

لہٰذا ارکان کی ترتیب آگے پیچھے کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

ب) نماز کی سنتیں:

نماز کے سنت اعمال کی دو قسمیں ہیں: ایک مؤکدہ جو واجب کی طرح ہیں اور ایک غیر مؤکدہ جنہیں مستحب کہا جا سکتا ہے۔

مؤکدہ سنتیں:

(۱): سورۃ الفاتحہ کے بعد قرآن مجید کی کوئی سورت یا ایک دو آیتیں تلاوت کرنا۔ یہ حکم نمازِ فجر کی دونوں رکعتوں میں اور ظہر‘ عصر‘ مغرب‘ عشاء کی پہلی دو دو رکعتوں میں ہے۔ حدیث میں ہے: ''نبی ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ اور کوئی دو سورتیں پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان (مقتدیوں) کو کوئی آیت

---

۱) سنن ابی داوٗد‘ کتاب الطھارۃ‘ باب فرض الوضوء۔ جامع الترمذی‘ ابواب الطھارۃ‘ باب ما جاء ان مفتاح الصلاۃ الطھور۔

۲) صحیح البخاری‘ کتاب الاذان‘ باب الاذان للمسافرین اذا کانوا جماعۃ۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:57 PM PAGE 3 (1,1)

(۵) قعدہ: پہلے اور دوسرے تشہد کے لئے بیٹھنا اور دعا پڑھنا۔

(۶) تشہد: تشہد کے الفاظ یہ ہیں:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ[۱]

’’زبانی عبادتیں‘ بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں (سب) اللہ کے لئے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں۔ ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں‘ اس کا کوئی شریک نہیں‘ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں‘‘۔

(۷) جہری نمازوں میں بلند آواز سے قراءت کرنا۔ یعنی مغرب اور عشاء کی پہلی دو دو رکعتوں میں اور نمازِ فجر کی دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قراءت کرے اور باقی تمام رکعتوں میں آہستہ قراءت کرے۔

(۸) سرّی نمازوں میں آہستہ تلاوت کرنا۔ یہ فرض نماز کا حکم ہے۔ نفل نماز میں دن کے وقت آہستہ اور رات کو بلند آواز سے قراءت کرنا سنت ہے۔ البتہ اگر یہ خطرہ ہو کہ رات کو بلند آواز سے قراءت کرنے سے دوسرے افراد کو (مثلاً پاس سوئے ہوئے افراد کو) تکلیف ہوگی تو آہستہ تلاوت کرنا مستحب ہے۔

(۹) آخری تشہد میں درود پڑھنا۔ اَلتَّحِیَّاتُ والی دعا پڑھنے کے بعد یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ ‘ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی آلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ[۲]

---

۱) صحیح البخاری‘ کتاب الاذان‘ باب التشہد فی الآخرۃ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الصلاۃ‘ باب التشہد فی الصلاۃ۔

۲) صحیح مسلم‘ کتاب الصلاۃ‘ باب الصلاۃ علی النبی (ﷺ) بعد التشہد۔ اس روایت میں عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ کا لفظ نہیں ہے۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:57 PM PAGE 4 (1,1)

کہ ہاتھ آپؐ کے کندھوں کے برابر ہو جاتے‘ پھر حضورﷺ اللہ اکبر کہتے‘ پھر جب رکوع کرنا چاہتے تو اسی طرح ہاتھ اٹھاتے۔ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو بھی اسی طرح ہاتھ اٹھاتے اور ’’سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ. رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ‘‘ کہتے‘‘۔[1]

(۴) سورۃ الفاتحہ پڑھ کر آمین کہنا۔ حدیث میں ہے کہ نبیﷺ جب غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھتے تو کہتے آمین۔ اس لفظ کے ساتھ آواز کو لمبا کرتے۔ نیز آپﷺ نے فرمایا:

((اِذَا قَالَ الْاِمَامُ : ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ﴾ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ ‘ فَاِنَّهٗ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))[2]

’’جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے موافق ہوا اُس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے‘‘۔

(۵) فجر کی نماز میں قراءت لمبی‘ عصر اور مغرب میں مختصر اور ظہر اور عشاء میں متوسط ہو۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو خط بھیجا کہ ’’صبح کی نماز میں طوالِ مفصل‘ ظہر میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل پڑھا کرو‘‘۔[3]

(۶) سجدوں کے درمیان دعا پڑھنا۔ دعا یہ ہے:

رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَعَافِنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ

’’اے ربّ! مجھے بخش دے‘ مجھ پر رحم کر‘ مجھے عافیت بخش‘ مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق دے‘‘۔

کیونکہ رسول اللہﷺ سجدوں کے درمیان یہ دعا پڑھتے تھے۔[4]

---

۱) صحیح البخاری‘ کتاب الاذان‘ باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الصلاۃ‘ باب استحباب رفع الیدین عند المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام والرکوع والرفع من الرکوع۔

۲) صحیح البخاری‘ کتاب الاذان‘ باب جهر المأموم بالتامین۔

۳) جامع الترمذی‘ کتاب ابواب الصلاۃ‘ باب ما جاء فی القراءۃ فی الصبح۔ وباب ما جاء فی القراءۃ فی الظهر والعصر و باب ما جاء فی القراءۃ فی المغرب۔

٤) جامع الترمذی‘ ابواب الصلاۃ‘ باب ما یقول بین السجدتین۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:57 PM PAGE 5 (1,1)

خود کی ہے۔‘‘

(۸) رسول اللہﷺ سے نماز میں بیٹھنے کے دو طریقے مروی ہیں: آخری جلسہ میں تورّک اور باقی ہر جلسہ میں افتراش۔[۱]

افتراش کا مطلب یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ تورّک کا مطلب یہ ہے کہ بائیں پاؤں کا نچلا حصہ دائیں ران کے نیچے سے نکالے اور سرین زمین پر لگا کر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے۔ تشہد میں بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھے، انگلیاں کھلی ہوں۔ دائیں ہاتھ کی انگلیاں بند کرے اور تشہد کی دعا پڑھتے وقت انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرے اور اسے حرکت دے۔ حدیث میں ہے: ’’نبیﷺ جب التحیات کے لئے بیٹھتے تھے تو دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھتے، اور انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے اشارہ کرتے۔ آپﷺ کی نظر اشارہ سے آگے نہیں جاتی تھی‘‘۔[۲]

(۹) سینے پر ہاتھ باندھنا۔ دایاں ہاتھ بائیں پر ہونا چاہئے۔ حضرت سہلؓ فرماتے ہیں: ’’لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ آدمی نماز میں دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھے‘‘۔[۳]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’رسول اللہﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ پر رکھ کر نماز پڑھ رہا تھا۔ آپﷺ نے اس کا ہاتھ کھینچا اور دائیں کو بائیں پر رکھ دیا‘‘۔[۴]

(۱۰) سجدے میں دعا کرنا: ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلَا وَاِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا ، فَاَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظِّمُوْا فِیْهِ الرَّبَّ عَزَّوَجَلَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِی الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ یُسْتَجَابَ لَكُمْ))[۵]

---

۱) دیکھئے: صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب سنة الجلوس فی التشهد۔

۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب صفة الجلوس فی الصلاة وکیفیة وضع الیدین علی الفخذین۔

۳) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب وضع الیمنٰی علی الیسرٰی فی الصلاة۔

٤) مسند احمد۔ اس کی سند صحیح ہے۔

٥) صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب النهی عن قراءة القرآن فی الرکوع والسجود۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:57 PM PAGE 6 (1,1)

((يَا مُعَاذُ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ، وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ، قَالَ : اُوْصِیْکَ یَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلَاةٍ تَقُوْلُ : اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ))(۱)

''اے معاذ! اللہ کی قسم مجھے تم سے محبت ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے تم سے محبت ہے۔ اے معاذ! میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے پیچھے یہ الفاظ کبھی نہ چھوڑنا: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ اے اللہ! میری مدد فرما تیرا ذکر کرنے پر، تیرا شکر ادا کرنے پر اور اچھی طرح عبادت کرنے پر''۔

(۳) حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر فرض نماز کے بعد یہ الفاظ کہا کرتے تھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ(۲)

''اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، حکومت اسی کی ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو کچھ تو عطا فرمائے کوئی اسے روکنے والا نہیں، اور جو کچھ تو روک لے کوئی وہ چیز دینے والا نہیں، اور کسی (دُنیوی) عظمت وشان والے کو اس کی عظمت وشان تجھ سے (اور تیرے غضب اور عذاب سے بچانے میں) کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔''

(۴) حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اسے جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی''۔(۳)

(۵) حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

---

۱) مسند احمد۔ وسنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب فی الاستغفار۔ ومستدرک حاکم۔ امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

۲) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وصفته

۳) شیخ البانی نے فرمایا: ''اس حدیث کو امام نسائی نے سنن کبریٰ میں یا ''عمل الیوم واللیلۃ'' میں روایت کیا ہے اور اسے قوی کہا ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۳۰۸)

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:57 PM PAGE 7 (1,1)

عَنْ ذٰلِکَ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُھُمْ))[1]

''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نماز کے دوران آسمان کی طرف نظریں اٹھاتے ہیں......
انہیں ضرور اس حرکت سے رک جانا چاہئے ورنہ ان کی نظریں چھین لی جائیں گی۔''

(۳) پہلوؤں پر ہاتھ رکھنا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبی اکرم ﷺ نے پہلو پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے''۔[2]

(۴) لٹکتے ہوئے بالوں اور کپڑوں کو نماز کے دوران سمیٹنا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰی سَبْعَۃِ اَعْظُمٍ وَلَا اَکُفَّ ثَوْبًا وَلَا شَعْرًا))[3]

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں (یعنی سات اعضاء) پر سجدہ کروں اور کپڑا یا بال نہ سمیٹوں۔''

(۵) انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا اور انگلیاں چٹخانا۔ روایت ہے کہ ایک آدمی نے نماز کے دوران انگلیوں میں انگلیاں ڈال رکھی تھیں تو آنحضرت ﷺ نے اس کی انگلیوں کو انگلیوں سے نکال دیا اور فرمایا:

((لَا تُفَقِّعْ اَصَابِعَکَ وَاَنْتَ فِی الصَّلَاۃِ))[4]

''نماز میں انگلیاں نہ چٹخایا کرو''۔

(۶) کنکریاں چھونا۔ البتہ سجدہ کی جگہ ایک بار ہموارہ کرنا جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا قَامَ اَحَدُکُمْ اِلَی الصَّلَاۃِ فَلَا یَمْسَحِ الْحَصٰی فَاِنَّ الرَّحْمَۃَ

---

١) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ۔ وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ (مذکورہ بالا الفاظ ابوداوٗد کی روایت سے لئے گئے ہیں۔ دیکھئے: سنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، باب النظر فی الصلاۃ)

٢) صحیح البخاری، کتاب العمل فی الصلاۃ، باب الخصر فی الصلاۃ۔ وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب کراھیۃ الاختصار فی الصلاۃ۔

٣) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر والثوب وعقص الشعر فی الصلاۃ۔

٤) سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ما یکرہ فی الصلاۃ۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے۔

اسے (نماز سے) ہٹا رہی ہوں‘‘۔

(۱۱) ایڑیوں پر بیٹھنا۔[۱]

(۱۲) بازو زمین پر بچھانا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

’’رسول اللہ ﷺ شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع فرماتے تھے (یعنی ایڑیوں پر بیٹھنے سے) اور اس بات سے بھی منع فرماتے تھے کہ آدمی (سجدہ میں) اپنے بازو اس طرح بچھادے جس طرح درندہ (بیٹھتے ہوئے) بچھاتا ہے‘‘۔[۲]

د) مبطلاتِ نماز (نماز توڑنے والے کام):

مندرجہ ذیل امور سے نماز باطل ہو جاتی ہے:

(۱) نماز کا کوئی رکن چھوڑ دینا جبکہ نماز کے دوران یا نماز کے فوراً بعد اس کی تلافی نہ کر لی جائے۔ جس شخص نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی تھی اس نے اطمینان اور اعتدال کے ارکان چھوڑ دیئے تھے‘ اسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

((اِرْجِعْ فَصَلِّ فَاِنَّکَ لَمْ تُصَلِّ))[۳]

’’دوبارہ جا کر نماز پڑھو‘ کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔‘‘

(۲) کھانا پینا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ فِی الصَّلَاۃِ لَشُغْلاً))[٤]

’’نماز میں (اللہ تعالیٰ کے ساتھ) مشغولیت ہوتی ہے‘‘۔ (جس کی وجہ سے نمازی دوسرا کام نہیں کر سکتا)‘‘

(۳) بات کرنا جب کہ مقصد نماز کی اصلاح نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾﴾ (البقرۃ)

’’اللہ کے لئے عاجزی کے ساتھ کھڑے ہو۔‘‘

---

۱) اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی پنڈلیاں کھڑی کر کے زمین پر بیٹھے اور زمین پر ہاتھ رکھے جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔

۲) صحیح مسلم‘ کتاب الصلاۃ‘ باب ما یجمع صفۃ الصلاۃ۔

۳) صحیح البخاری‘ کتاب الاذان‘ باب وجوب قراءۃ الامام والمأموم۔

٤) صحیح البخاری‘ کتاب الجمعۃ‘ باب لا یرد السلام فی الصلاۃ۔ وصحیح مسلم‘ کتاب المساجد‘ باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ما کان من اباحتہ۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:58 PM PAGE 9 (1,1)

بھی دیا۔[1]

(۶) بھول کر نماز میں بہت زیادہ اضافہ کر دینا۔ مثلاً ظہر کی آٹھ رکعت یا مغرب کی چھ رکعت پڑھ لینا' یا فجر میں چار رکعت پڑھ لینا۔ کیونکہ اتنی زیادہ بھول کہ نماز میں نماز کے برابر اضافہ ہو جائے' اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نمازی خشوع سے بالکل عاری ہے حالانکہ خشوع وخضوع ہی نماز کی اصل روح ہے' جس کے بغیر نماز کالعدم ہے۔

(۷) نماز کے دوران یاد آنا کہ اس سے پہلے فرض نماز ابھی نہیں پڑھی۔ مثلاً ایک شخص عصر کی نماز شروع کر دے' پھر اسے یاد آ جائے کہ اس نے تو ابھی ظہر کی نماز نہیں پڑھی تو عصر کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ جب تک پہلے ظہر کی نماز نہ پڑھ لے عصر کی نماز صحیح نہیں ہو گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع سے پانچوں نمازیں بالترتیب وارد ہیں لہٰذا کوئی نماز اس نماز سے پہلے نہیں پڑھنی چاہئے جو اس سے متصل پہلے ہے۔

۶) نماز میں مباح امور:

نماز کے دوران نمازی مندرجہ ذیل کام کر سکتا ہے:

(۱) قلیل حرکت۔ مثلاً اپنی چادر وغیرہ درست کر لینا۔ کیونکہ اس طرح کا عمل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔

(۲) شدید ضرورت کے وقت کھانسنا۔

(۳) صف کی درستی کے لئے دوسرے آدمی کو آگے یا پیچھے کھینچ لینا یا مقتدی کو بائیں طرف سے دائیں طرف لے آنا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے ساتھ بائیں طرف کھڑے ہو کر نماز تہجد میں شریک ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں گھما کر دائیں طرف کر لیا۔[2]

(۴) جمائی لینا اور مُنہ پر ہاتھ رکھنا۔

(۵) امام کو لقمہ دینا' یا امام بھول جائے تو سبحان اللہ کہنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب اذا حمل جاریۃ صغیرۃ علی عنقہ فی الصلاۃ۔

۲) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اذا قام الرجل عن یسار الامام فحوّلہ الامام الی یمینہ لم تفسد صلاتھا۔

E:\Ma-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\minhaj32.inp 8/22/2014 2:58 PM PAGE 10 (1,1)

پھیرے۔ اسی طرح جو شخص بھول کر نماز کی کوئی سنت مؤکدہ ترک کر دے' وہ اس کے بدلے سلام سے پہلے سجدۂ سہو ادا کرے' مثلاً جسے درمیانی تشہد پڑھنا یاد نہ رہے یا پورا کھڑا ہونے کے بعد یاد آئے تو وہ لوٹ کر باقی رہا ہوا عمل مکمل نہ کرے بلکہ سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کر لے۔ اسی طرح اگر نماز مکمل ہونے سے پہلے بھول کر سلام پھیر دے تو اگر تھوڑا وقت گزرنے پر یاد آئے تو باقی ماندہ نماز پڑھ کر سلام کے بعد سجدۂ سہو کر لے۔ سجدۂ سہو کی دلیل آنحضرتﷺ کے فرامین بھی ہیں اور آپﷺ کا عمل بھی۔ ایک بار رسول اللہﷺ نے چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ آپﷺ کو بتایا گیا تو آپﷺ نے واپس آ کر باقی نماز مکمل کی اور سلام کے بعد سجدے کئے۔[1]

ایک بار دوسری رکعت پڑھ کر بغیر تشہد پڑھے کھڑے ہو گئے تو آپﷺ نے سلام سے پہلے سجدے کئے اور فرمایا:

((اِذَا شَکَّ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلَاتِہٖ فَلَمْ یَدْرِ کَمْ صَلّٰی' ثَلَاثًا اَمْ اَرْبَعًا' فَلْیَطْرَحِ الشَّکَّ وَلْیَبْنِ عَلٰی مَا اسْتَیْقَنَ ' ثُمَّ یَسْجُدُ سَجْدَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ' فَاِنْ کَانَ صَلّٰی خَمْسًا شَفَعْنَ لَـہٗ صَلَاتَہٗ' وَاِنْ کَانَ صَلّٰی اِتْمَامًا لِاَرْبَعٍ کَانَتَا تَرْغِیْمًا لِلشَّیْطَانِ))[2]

''جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک ہو جائے اور اسے پتہ نہ چلے کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے' تین رکعت پڑھی ہے یا چار رکعت؟ تو اسے چاہئے کہ شک کو دور کرے' جس پر اسے یقین ہو اس پر بِنا کرے' پھر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کر لے۔ اگر اس نے پانچ رکعتیں پڑھ لی ہوں گی تو ان دو سجدوں سے اس کی نماز جفت ہو جائے گی اور اگر اس نے چار رکعتیں پوری پڑھی ہوں گی تو یہ سجدے شیطان کی ذلت کا باعث بن جائیں گے۔''

جس شخص کو امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے شک ہو جائے' اکثر علماء کے نزدیک اس کے ذمہ سجدۂ سہو نہیں ہے۔ البتہ اگر امام کو بھول لگ جائے تو مقتدی کو امام کی پیروی کرتے ہوئے سجدۂ سہو ادا کرنے ہوں گے' کیونکہ امام کی اقتداء واجب ہے اور مقتدی کی نماز امام کی

---

۱) صحیح البخاری' کتاب السھو' باب من لم یتشھد فی سجدتی السھو وسلم۔ وصحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ۔

۲) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms21-03.inp 8/22/2014 3:05 PM PAGE 1 (1,1)

علامہ تاجور سنّی تھے‘ معلوم نہیں ہوسکتا تھا کہ دیوبندی ہیں یا بریلوی یا اہل حدیث۔ سید عابد علی عابد اور سید قمر الزمان عقیدے کے شیعہ تھے لیکن باتوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سنی ہیں۔ اس زمانے میں ابھی چُھٹ بھیّوں نے شیعوں کے خلاف سنّی تحریکیں اور سنّیوں کے خلاف شیعہ تحریکیں‘ مار دھاڑ سے بھرپور‘ دہشت گردانہ جاری نہیں کی تھیں۔ اسلام کے دونوں فرقوں کے عام لوگ اور ان کے رہنما اور قائدین‘ اساتذہ‘ ادیب اور شاعر‘ اور علماء و فضلاء آپس میں اس قدر شیر و شکر کی طرح رہتے تھے کہ ’’رواداری‘‘ اور ’’غیر جانبداری‘‘ جیسی مصلحت آمیز اصطلاحیں کم ہی استعمال ہوتی تھیں۔ مجھے یاد ہے‘ ایک دفعہ تینوں پروفیسروں کے مابین اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ بوقت تحریر بعض لوگ حضرت علی کے نام کے ساتھ احتراماً علیہ السلام کہنے کے لئے ’’ؑ‘‘ کی علامت لگاتے ہیں‘ بعض رضوان اللہ علیہ کہنے کے لئے ’’رض‘‘ لکھتے ہیں‘ اور بعض کرم اللہ وجہہ کہنے کے لئے صرف ’’ک‘‘ کی علامت لکھتے ہیں‘ تو حق کیا ہے؟ اگر صرف ایک ہی علامت استعمال کرنا ہو تو کس کو ترجیح دی جائے۔ مقصود فیصلہ نہیں تھا‘ ایک دوسرے کے علم سے مستفیض ہونا تھا۔ تینوں میں دیر تک مکالمت رہی اور ہم نے سنا اور دیکھا کہ شیعہ سنی مفاہمت کیا چیز ہوتی ہے۔

یہی وصف علامہ سید قمر الزماں کی دختر ارجمند بلقیس قمر سبزواری کو ورثے میں ملا۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتاب پر ان کی تبصراتی تحریر کے ایک ایک جملے سے ان کی دردمندی ظاہر و باہر ہے۔ موجودہ سنی شیعہ عدم رواداری پر اُن کا دکھ ایک ایک فقرے سے محسوس ہوتا ہے۔ ان کی شاعری کے دو مجموعے ’’زرد موسم‘‘ اور ’’نقشِ انساں‘‘ بھی توثیقِ مزید کے لئے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ ’’زرد موسم‘‘ ان کی شعریت اور ذوقِ جمال کا مظہر ہے‘ اور ’’نقشِ انساں‘‘ ان کے فلسفے اور مذہب کا شعری اسلوبِ اظہار ہے۔ ان کی شاعری کے بارے میں فاضل نقاد‘ پروفیسر سحر انصاری نے ٹھیک ہی لکھا ہے:

> ’’بلقیس قمر کی شاعری ایک خودرو پودے کے مانند ہے‘ جس کی ساری بہار اور دلکشی فطری ہے...... ’’زرد موسم‘‘ کے مطالعے کے دوران ایک زاویہ اس طرح کا بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا کہ بلقیس قمر نے اردو شاعری کے بعض بہت مانوس استعاروں اور علامتوں کو ذاتی اور تخصی استعارے اور علامتیں بنا دیا ہے۔ اُن کی شاعری کی اس جہت کو ملحوظ رکھے بغیر ان کے کلام کا مطالعہ ادھورا رہ جائے گا‘‘۔

محترمہ بلقیس قمر خود بھی اپنی شاعری (یعنی وہ جو ’’زرد موسم‘‘ میں ہے) کے بارے میں

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms21-03.inp 8/22/2014 3:05 PM PAGE 2 (1,1)

اور پھر دنیا قریب آ گئی تو کچھ باتیں خود بخود سمجھ میں آنے لگیں:

احساس کی منزل کو سمجھا ہے قمر تو نے
دل آج کی دنیا میں اک نقطۂ ویراں ہے''

غرضیکہ شاعرہ نے انسان کے مختلف تجربات و کیفیات کو گرفت میں لے کر' اپنے الفاظ میں ''زردموسم'' میں سمو دیا ہے۔ مجموعے میں کیفیت بہار کے باوجود اس پر زرد موسم محیط ہے۔

ان کی شاعری کا دوسرا مجموعہ ''نقش انساں'' مذہبی شاعری' اور بالخصوص واقعۂ کربلا کے حوالے سے محسوسات و جذبات کا شعری ابلاغ ہے۔ ''ادارۂ معاصر افکارِ اسلامی'' کے ناظم ڈاکٹر پرویز شفیع نے اپنے دیباچے میں ایک خاص نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ لکھتے ہیں:

''واقعۂ کربلا کے فوراً بعد ناجائز اور مطلق العنان نظامِ حکومت کی وجہ سے مسلمانوں کی تہذیب زوال سے دوچار ہوئی' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کربلا کا ایک دوسرا اور مسخ شدہ مفہوم' جو محض علامات اور روایات تک محدود تھا' عاشقانِ رسولؐ و آلِ رسولؐ میں بھی مقبول ہو گیا۔ گزشتہ دو اڑھائی صدیوں میں بالخصوص مغرب کے استعماری و سامراجی تسلط نے اسے اور ہوا دی۔ خاص طور پر جنوبی ایشیا میں ہندوؤں کے رسم و رواج اور مشرکانہ روایات کے زیر اثر کربلا کے اس مسخ شدہ تصور کو عروج حاصل ہوا۔ یہ مسخ شدہ تصور اردو نثر اور شاعری کی تمام اصناف میں کربلا کی حقیقی تعبیر کے طور پر منعکس کیا جانے لگا۔ انگریزوں کے زیر اثر اس کام میں انیسؔ اور دبیرؔ اور اُن کے ہم خیال شعراء حضرات پیش پیش تھے اور انہوں نے اس مسخ شدہ مفہوم کو نقطۂ کمال تک پہنچایا۔ ان حضرات نے جہاں ان روایات کو کم از کم زندہ رکھنے کی خدمات انجام دیں' وہیں ساتھ ہی ساتھ وہ مظلومیت کے بیان میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے کربلا کے عظیم واقعے کو توہّمات کی داستان میں تبدیل کر دیا' جس کے نتیجے میں کربلا کی اصل روح لوگوں سے اوجھل ہو گئی اور یہ اپنا حقیقی مفہوم کھو بیٹھا۔ شعراء حضرات اور خاص طور سے انیسؔ و دبیرؔ نے کربلا کی منظر کشی پر سب سے زیادہ قوتِ بیاں صرف کی اور اپنے بیان میں غیر ضروری اور غیر حقیقی تفصیلات کو جگہ دے کر امام حسینؓ کی شجاعت و حمیت اور مقصد کی عظمت کو بڑی حد تک پس منظر میں ڈالا اور ثانوی درجے کا بنا کر رکھ دیا...... اس تاریخی پس منظر میں بلقیس قمر سبزواری کا مجموعۂ کلام ''نقشِ انساں'' ایک جرأت مندانہ کوشش ہے' بلکہ میں تو اسے جہاد کہوں گا'

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms-bangla desh-2.inp 8/22/2014 3:06 PM PAGE 1 (1,1)

مغل تاجدار شاہ عالم ثانی سے حاصل کی۔ محمد رضا خان کو بنگال کا اور راجہ شتاب رائے کو بہار کا نائب دیوان مقرر کیا گیا اور فوج کا اختیار کمپنی نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اب انگریزوں پر بھی کمپنی کی جانب سے محصول عائد کر دیا گیا' لیکن کمپنی کے ملازمین حسب عادت محصول کی آمدنی ہڑپ کرنے لگے' رشوت کا بازار گرم ہوا' مقامی حکومت خرابیوں کو روکنے سے قاصر رہی اور کلایو کی دوعملی کے باعث صوبہ بنگال کی خوشحالی ختم ہوگئی۔ 1769ء اور 1770ء میں سخت اور مسلسل قحط پڑا' جس میں ایک تہائی آبادی ختم ہوگئی۔ کمپنی کا خزانہ خالی ہوگیا' لیکن اس کے ملازمین امیر ہوتے چلے گئے۔ 1773ء میں کلایو پر غبن کا مقدمہ چلا اور 1774ء میں اس نے خودکشی کر لی۔

کلایو کی جگہ وارن ہیسٹنگز بنگال کا گورنر مقرر ہوا۔ اس نے کمپنی کی حالت سدھارنے کے لیے بنگال اور بہار کے دیوانوں کو برخاست کر کے بورڈ آف ریونیو مقرر کیا۔ مرشد آباد سے خزانہ کلکتہ لایا گیا۔ نواب کی پنشن 32 لاکھ روپے سے 16 لاکھ کر دی گئی۔ زمین پانچ سال کے ٹھیکے پر دی جانے لگی' اودھ کے نواب وزیر سے پچاس لاکھ روپے لے کر کڑا اور الٰہ آباد واپس کر دیا گیا۔ اس طرح کمپنی کا خرچ 29 لاکھ سے گھٹ کر تقریباً 13 لاکھ روپے ہوگیا۔ ریگولیٹنگ ایکٹ کی رو سے وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل مقرر ہوا تو اس نے بھی روپیہ کمانا شروع کر دیا۔ صرف میر جعفر کی بیوہ مُنّی بیگم سے ساڑھے تین لاکھ روپیہ حاصل کیا۔ 1784ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ''پٹس انڈیا ایکٹ'' منظور کیا' جس کی رو سے کمپنی ہندوستان کے سیاسی اور تجارتی حقوق کی مالک ہوگئی اور اس کے لیے بورڈ آف کنٹرول قائم ہوا۔

وارن ہیسٹنگز کے بعد میکفرسن ڈیڑھ سال گورنر جنرل رہا۔ اس کے زمانے میں رشوت ستانی اور دوسری بدعنوانیاں مزید بڑھ گئیں' اس لیے لارڈ کارنوالس گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف مقرر ہوا' جو نہ تو کمپنی کی ملازمت میں تھا اور نہ کمپنی کی بدعنوانیوں سے آشنا تھا۔

وارن ہیسٹنگز کا پنج سالہ ٹھیکے کا نظام کامیاب نہ ہوا' اس لیے ٹھیکے داروں کو زمین اور مزارعین سے کوئی دلچسپی اور ہمدردی نہیں ہوتی تھی اور وہ اس عرصے میں زیادہ سے زیادہ محصول وصول کرنے کی کوشش میں رعایا کا خون چوستے رہتے۔ 1789ء میں لارڈ کارنوالس نے دوسالہ نظام جاری کیا جو 1793ء میں ''بندوبست استمراری'' میں تبدیل ہوگیا۔ اس سے زمینداروں کو تو فائدہ ہوا' لیکن رعایا کی حالت بدستور گرتی رہی۔ چونکہ کسانوں سے مال گزاری وصول کرنے والوں میں ہندوؤں کی اکثریت تھی' لہٰذا رفتہ رفتہ وہ مسلمان زمینداروں کو بے دخل کر کے ان کی جگہ لینے لگے۔ اُسی زمانے میں مسلم قانون کی جگہ انگریزی قانون نافذ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا مزید نقصان ہوا۔ دفتروں میں فارسی کی جگہ انگریزی رائج کر دی گئی۔ انگریزی تعلیم کے اداروں میں چونکہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں نے کہیں زیادہ دلچسپی کا ثبوت دیا' لہٰذا وہ انگریزی پڑھ کر سرکاری

E:\Ms-2005\Meesaaq_PDF_2005\meesaq april05\ms-bangla desh-2.inp 8/22/2014 3:06 PM PAGE 2 (1,1)

ایک علیحدہ قوم قرار دیا۔ ڈھاکہ کے نواب سر سلیم اللہ خان نے سرسید کا ساتھ دیا اور بنگال کے مسلمانوں نے انہیں اپنا قائد تسلیم کیا۔

پہلے تقسیم‘ پھر تنسیخ

حکومت کا نظم و نسق مضبوط بنانے کے لیے لارڈ کرزن نے بنگال کے بڑے صوبے کو تقسیم کر کے آسام اور مشرقی بنگال کو ملا کر ایک الگ صوبہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جاتی تھی اور مغربی بنگال میں بہار اور اڑیسہ کے رہنے والوں کی‘ لہٰذا نواب سلیم اللہ اور دوسرے مسلمان تعلقدار اور شرفاء اس تقسیم کے حق میں تھے‘ لیکن بنگالی ہندو کا اس تقسیم سے سراسر نقصان تھا۔ کلکتہ کی سیاسی اور تجارتی اہمیت کم ہو جانے سے اُن کی تجارت اور عام کاروبار پر برا اثر پڑتا تھا۔ دوسرے ان کی زمینداری مشرقی بنگال میں تھی‘ لیکن رہتے وہ کلکتہ میں تھے‘ لہٰذا انہوں نے بنگال کی تقسیم کے خلاف احتجاج کیا اور بنگالی قوم‘ بنگالی زبان اور بنگالی کلچر کے نام سے ایک تحریک شروع کر دی۔ اس میں کانگرسی رہنما سریندر ناتھ بینرجی‘ سی آر داس گوکھلے اور تلک پیش پیش تھے۔ برطانوی اشیاء کا بائیکاٹ کیا گیا اور دہشت انگیز کارروائیاں شروع ہوئیں۔

اس کے باوجود 1905ء میں بنگال کی تقسیم ہوئی۔ مشرقی بنگال کے نام سے ایک نیا صوبہ قائم کیا گیا‘ جس کا دارالحکومت ڈھاکا قرار پایا۔ اسی سال جاپان نے روس کو شکست دی تو ایشیا کے ملکوں میں بیداری کی نئی لہر پیدا ہوئی اور کانگریس نے آزادی کی تحریک کا آغاز کیا۔ بنگال اس تحریک میں پیش پیش رہا۔ نواب سلیم اللہ نے ڈھاکا میں ہندوستانی مسلمانوں کی ایک کانفرنس دسمبر 1906ء میں بلائی‘ جہاں ہندوستان کے مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہی جماعت بعد میں ’’آل انڈیا مسلم لیگ‘‘ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس دوران میں انتہا پسند ہندوؤں کی دہشت انگیز اور تشدد آمیز سرگرمیاں بہت بڑھ گئیں‘ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ جارج پنجم نے 1911ء میں بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی۔ آسام کو ایک چیف کمشنر کا صوبہ قرار دیا اور ہندوستان کا دارالحکومت کلکتہ سے دہلی تبدیل کر دیا گیا۔

فروری 1915ء میں سر سلیم اللہ کے انتقال کے بعد بنگال میں کوئی بڑا مسلمان رہنما نہ رہا‘ اس لیے مسلمانوں میں ایک اجتماعی قیادت کی ابتدا ہوئی۔ چونکہ زمیندار زیادہ تر ہندو تھے اور کاشت کار زیادہ تر مسلمان‘ لہٰذا مسلمانوں نے ’’پرجا پارٹی‘‘ بنائی۔ اس پارٹی کی رہنمائی سر عبدالرحیم خان‘ خان بہادر عبدالمؤمن‘ اے کے فضل الحق اور مولانا محمد اکرم خان نے کی‘ لیکن جنگ عظیم چھڑ جانے سے اس کا کام آگے نہ بڑھ سکا۔ یہ جماعت مخلوط انتخاب کی قائل تھی‘ لیکن 1916ء میں ’’میثاق لکھنؤ‘‘ کے تحت کانگریس اور مسلم لیگ میں جداگانہ انتخاب کے مسئلے پر سمجھوتہ ہو گیا۔

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms-bangla desh-2.inp 8/22/2014 3:06 PM PAGE 3 (1,1)

شامل ہو گئے اور 16 کرشک پرجا پارٹی میں۔ چنانچہ مسلم لیگ نے ایک مخلوط وزارت بنائی‘ جس کے وزیراعظم فضل الحق ہوئے اور وہ مسلم لیگ میں بحیثیت صدر بنگال مسلم لیگ شامل ہو گئے۔

1939ء‘ ستمبر میں برطانیہ نے دوسری جنگِ عظیم میں شرکت کا اعلان کیا۔ اکتوبر میں کانگرسی وزارتیں ہندو اکثریت کے صوبوں میں مستعفی ہو گئیں اور 22 دسمبر 1939ء کو مسلم لیگ نے سارے ہندوستان میں ’’یومِ نجات‘‘ منایا‘ کیونکہ کانگرسی وزارتوں کے دور میں ان صوبوں کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ بنگال کی مسلم لیگی وزارت (1937ء۔ 1941ء) نے عوام کی حالت سدھارنے کی اَن تھک کوشش کی۔ متعدد مفید قوانین منظور کیے گئے‘ لیکن کابینہ میں زمینداروں کی موجودگی کے باعث زمینداری ختم نہ ہوسکی۔

1940ء‘ مارچ‘ آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لاہور میں ایک قرارداد منظور کی گئی جو بعد میں ’’قراردادِ پاکستان‘‘ کے نام سے موسوم ہوئی۔ یہ قرارداد بنگالی لیڈر رائے کے فضل الحق نے پیش کی۔ اس میں مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست کا مطالبہ کیا گیا۔ بہت جلد اس مطالبے نے ایک زبردست تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ یہ ایک سیاسی جمہوری تحریک تھی‘ جس کی بنیاد دینِ اسلام اور اسلامی تہذیب پر تھی۔ بنگال کے مسلمان رہنماؤں نے اس میں زور شور سے حصہ لیا۔ اس تحریک کو دبانے کے لیے کانگریس نے ’’ہندوستان خالی کر دو‘‘ کی تحریک چلائی۔ اس تحریک کا‘ نیز عالمگیر جنگ میں جاپان کی شرکت کا برطانوی حکومت پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ چنانچہ جنگ کے بعد ہندوستان کو آزادی دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

1941ء‘ مارچ میں ’’کرپس مشن‘‘ آیا‘ لیکن ناکام رہا۔ دسمبر 1941ء میں فضل الحق مسلم لیگ سے علیحدہ ہو گئے اور ہندو مہاسبھا کے لیڈر شیاما پرشاد مُکرجی کے ساتھ مل کر ایک مخلوط وزارت بنا لی۔ اس دور کا سب سے المناک واقعہ قحطِ بنگال ہے۔ ہندو تاجر غلہ جمع کرنے لگے اور حکومت بہار واڑیسہ نے بنگال کو غلہ دینے سے انکار کر دیا۔ لاکھوں بنگالی اس قحط کا شکار ہوئے۔

1942ء ’’ہندوستان چھوڑ دو‘‘ کی تحریک میں تمام مقتدر کانگرسی رہنما قید کر لیے گئے تھے‘ جن کو 1944ء کے آخر میں رہا کیا گیا۔ راج گوپال اچاریہ نے ہندوستان کی تقسیم کی ایک تجویز پیش کی‘ جسے سر سٹیفورڈ کرپس نے تسلیم کر لیا‘ لیکن مسلم لیگ نے نامنظور کیا۔ قائداعظم اور گاندھی جی میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں‘ مذاکرات ہوئے‘ خط وکتابت ہوئی‘ لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

1946ء‘ مارچ میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کو زبردست فتح نصیب ہوئی۔ اسی مہینے میں برطانیہ کے لیبر پارٹی کے وزیراعظم لارڈ ایٹلی نے کابینہ مشن بھیجا۔

1946ء‘ 9/اپریل کو دہلی میں‘ مرکزی وصوبائی اسمبلیوں کے منتخب مسلم لیگی ارکان کا ایک

14 راگست کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہوا اور اسی روز متحدہ بنگال کے وزیر اعظم حسین شہید سہروردی نے مشرقی بنگال خواجہ ناظم الدین کے اور دوسرے روز مغربی بنگال پی سی گھوش کے حوالے کر دیا۔ اس طرح دو سو سال کی غلامی کے بعد اس سرزمین پر ایک بار پھر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی۔

پاکستان میں بنگال کی شمولیت

مشرقی بنگال میں صوبہ آسام کا ضلع سلہٹ بھی شامل ہو گیا' جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ضلع سلہٹ میں قانون آزادیٔ ہند کے تحت استصواب رائے (ریفرنڈم) کا انتظام کیا گیا۔ وہاں کے باشندوں نے پاکستان میں شامل ہونے کی حمایت میں ووٹ ڈالے۔ 1956ء کے آئین کے بعد مشرقی بنگال کا نام بدل کر ''مشرقی پاکستان'' رکھ دیا گیا۔

خواجہ ناظم الدین مشرقی بنگال کے پہلے وزیر اعظم تھے۔ قائداعظم کے انتقال کے بعد وہ پاکستان کے گورنر جنرل ہوئے اور تین سال بعد جب 1951ء میں لیاقت علی خان شہید کر دیے گئے تو خواجہ ناظم الدین پاکستان کے دوسرے وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ 1953ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے غیر آئینی طریقے سے خواجہ ناظم الدین کو پاکستان کی وزارتِ عظمیٰ سے برطرف کر دیا۔ اُن کی برطرفی نے مشرقی پاکستان کے عوام پر بہت برا اثر ڈالا اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ مشرقی پاکستان کو' جس کی آبادی پورے ملک کی آبادی کا 54 فیصد تھی' اس کا جائز حق نہیں دیا جا رہا اور مغربی پاکستان کے رہنما فوج کی مدد سے مشرقی پاکستان کو دبا کر رکھنا چاہتے ہیں۔

جب 1956ء کا آئین تیار ہوا تو مشرقی پاکستان کے تمام نمائندوں نے اس میں دی گئی صوبائی خودمختاری کو' اور مرکزی حکومت میں مساوی نمائندگی کو تسلیم کر لیا۔ صرف دستور ساز اسمبلی کے ہندو ممبروں نے آئین کی مخالفت کی' لیکن جب 1958ء میں پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خان نے آئینی حکومت کو برطرف کر دیا اور 1956ء کا آئین منسوخ کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا تو مشرقی پاکستان کے شکوک پھر تازہ ہو گئے اور وہاں علیحدگی پسند عناصر کا زور بڑھنے لگا' جن کی پشت پناہی وہاں کی ہندو آبادی کر رہی تھی۔

مشرقی پاکستان علیحدگی کی راہ پر

نواب زادہ لیاقت علی خان کے انتقال کے بعد ''پاکستان مسلم لیگ'' انتشار کا شکار ہو گئی اور اس سے علیحدہ ہونے والوں نے مختلف سیاسی جماعتیں بنا لیں۔ ان ہی میں ایک جماعت ''عوامی لیگ'' ہے' جسے مشرقی پاکستان کے ممتاز سیاسی لیڈر حسین شہید سہروردی (متوفی 1963ء) نے 1953ء میں قائم کیا تھا۔ 1954ء میں مشرقی بنگال کے صوبائی انتخابات میں دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر عوامی لیگ نے مسلم لیگ کے خلاف جگتو فرنٹ کے نام سے ایک متحدہ سیاسی محاذ بنایا۔ انتخابات

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms-bangla desh-2.inp 8/22/2014 3:06 PM PAGE 5 (1,1)

ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دیا‘ اور جب وہ بنگلہ دیش پہنچے تو ایک نجات دہندہ ہیرو کی حیثیت سے ان کا بے مثال استقبال کیا گیا۔

بنگلہ دیش 24 سال تک پاکستان کا حصہ رہا۔ اس مدت میں معاشی میدان میں بنگالیوں نے کافی ترقی کی۔ چاٹگاؤں کی بندرگاہ نے‘ جو بہت معمولی بندرگاہ تھی‘ ایک جدید طرز کی بین الاقوامی بندرگاہ کی شکل اختیار کر لی۔ چالنا میں ایک نئی بندرگاہ تعمیر ہوئی۔ پاکستان کے قیام سے پہلے بنگال کی ساری صنعت و حرفت کلکتہ اور اس کے نواح میں مرتکز تھی اور مشرقی بنگال کی حیثیت خام مال فراہم کرنے والے علاقے کی تھی‘ لیکن قیام پاکستان کے بعد صنعت و حرفت نے یہاں تیزی سے ترقی کی۔ ڈھاکا اور کھلنا میں پٹ سن کے کارخانے قائم ہوئے۔ چندر گونا میں پرنٹنگ پیپر کا کارخانہ اور کھلنا میں نیوز پرنٹ کاغذ کا کارخانہ قائم کیا گیا۔ یہ کارخانے اتنے بڑے تھے کہ پورے پاکستان کی ضرورت پوری کرتے تھے۔ چاٹگام میں فولاد سازی کا کارخانہ بھی اُسی زمانے میں بنایا گیا جو پاکستان میں فولاد سازی کا پہلا کارخانہ تھا۔ کپڑے‘ شکر اور سیمنٹ کے کارخانے قائم کیے گئے۔ صنعت و حرفت میں زبردست ترقی کے نتیجے میں ڈھاکا‘ نرائن گنج‘ کھلنا اور چاٹگام نے صنعتی شہروں کی شکل اختیار کر لی۔ ڈھاکا جو پاکستان بننے سے پہلے محض ایک ضلع کا صدر مقام تھا‘ 24 سال کی مدت میں ملک کا بہت بڑا اور خوبصورت شہر بن گیا۔ تعلیمی ترقی بھی مغربی پاکستان کے مقابلے میں مشرقی پاکستان میں زیادہ ہوئی۔ یہاں خواندگی کا تناسب مغربی پاکستان سے زیادہ تھا۔ ڈھاکا یونیورسٹی کے علاوہ‘ جو پہلے سے قائم تھی‘ چاٹگام اور راج شاہی میں نئی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں اور میمن سنگھ میں زرعی یونیورسٹی قائم ہوئی۔ انجینئرنگ یونیورسٹی اور جہانگیر نگر یونیورسٹی بھی اسی دور میں قائم ہوئیں۔

بنگلہ زبان‘ ادب اور صحافت نے بھی اس دور میں تیزی سے ترقی کی۔ بنگال کی علمی و ادبی زندگی پر‘ قیام پاکستان سے پہلے ہندوؤں کا تسلط تھا۔ پاکستان بننے کے بعد ڈھاکا سے بنگلہ اور انگریزی کے بلند پایہ اخبار نکلنے لگے اور بنگلہ زبان میں وسیع پیمانے پر اسلامی موضوعات پر کتابیں شائع ہونے لگیں۔ محقق ادیبوں میں ڈاکٹر شہید اللہ‘ مصنفین میں مولانا اکرم خان اور شاعروں میں کوی جسیم الدین کے نام نمایاں ہیں۔ روزنامہ ”آزاد“ بنگلہ زبان کا سب سے بڑا اور کثیر الاشاعت اخبار تھا جس کے مالک اسلامی ذہن کے مصنف و مدیر مولانا اکرم خان تھے۔ آخری دور میں روزنامہ ”سنگرام“ اسلامی حلقوں کا سب سے بڑا اخبار تھا‘ جس کو جماعت اسلامی سے وابستہ لوگ نکالتے تھے۔

12 جنوری 1972ء کو ابو سعید چودھری کو بنگلہ دیش کا صدر اور شیخ مجیب الرحمٰن کو وزیر اعظم منتخب کیا گیا۔ بھارت کے ساتھ دوستی اور تعاون کے 25 سالہ معاہدے پر دستخط ہوئے۔ ہندوستان نے اپنی فوجی امداد کی بھاری قیمت وصول کی۔ بھارتی فوجیوں نے بنگلہ دیش خالی کرنے سے پہلے

E:\Ms-2005\Meesaaq_Pdf_2005\meesaq april05\ms-bangla desh-2.inp 8/22/2014 3:06 PM PAGE 6 (1,1)

الرحمٰن نے اس کو ناکام بنا دیا۔ مشتاق احمد خوندکر مستعفی ہو گئے اور ایک خصوصی فوجی عدالت نے اختیارات کے ناجائز استعمال پر ان کو مارچ 1977ء میں پانچ سال کی سزا سنائی۔

ایک دس رکنی انقلابی کونسل قائم کی گئی اور چیف جسٹس ابوسادات محمد ہاشم کو صدر بنا دیا گیا۔ پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی' لیکن یہ پابندیاں جلد ہی اٹھالی گئیں۔ خود صدر ضیاء الرحمٰن نے ''نیشنل پولیٹیکل فرنٹ'' کے نام سے چھ جماعتوں پر مشتمل ایک انتخابی محاذ بنایا' جس میں مسلم لیگ کا ایک گروپ اور نیشنل عوامی پارٹی کا مسیح الرحمٰن گروپ شامل تھا۔

1978ء' 3 جون کو صدارتی انتخابات ہوئے جن میں ضیاء الرحمٰن بھاری اکثریت سے صدر منتخب ہو گئے۔ جماعت اسلامی کے رہنماؤں پر سے پابندیاں اٹھالی گئیں۔

1979ء' 18 فروری کو عام انتخابات ہوئے۔ صدر ضیاء الرحمٰن نے عام انتخابات میں کامیاب ہونے کے بعد شراب اور قمار پر پابندی لگا دی۔ عام انتخابات میں جماعت اسلامی' نظام اسلام پارٹی' ڈیموکریٹک پارٹی اور مسلم لیگ کے ایک گروپ نے ''اسلامک ڈیموکریٹک لیگ'' کے نام سے ایک انتخابی محاذ بنایا' جس کے 20 نمائندے کامیاب ہوئے۔ عام انتخابات سے اندازہ ہوا کہ بنگلہ دیش کی بانی جماعت ''عوامی لیگ'' کا گراف گر رہا ہے اور اسلام دوست عناصر تقویت حاصل کر رہے ہیں۔

1982ء' 24 مارچ کو آرمی چیف جنرل حسین محمد ارشاد نے پرامن فوجی انقلاب کے ذریعے کنٹرول حاصل کر لیا' لیکن وہ آٹھ سال بعد 6 دسمبر 1990ء کو بدعنوانی کے متعدد سنگین الزامات اور ہنگامہ خیز احتجاجی تحریک کے نتیجے میں مستعفی ہو گئے۔ جنرل ارشاد کے بعد یکے بعد دیگرے مقتول صدر ضیاء الرحمٰن کی بیوہ خالدہ ضیاء اور شیخ مجیب الرحمٰن کی بیٹی حسینہ واجد نے وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالا۔

وزیراعظم شیخ حسینہ واجد نے جولائی 2000ء میں اپنی وزارت کی پانچ سالہ میعاد پوری کی۔ اس لحاظ سے وہ پاکستان سے علیحدگی کے بعد بنگلہ دیش کی پہلی وزیراعظم تھیں جنہوں نے مقررہ میعاد مکمل کی۔

اکتوبر 2001ء میں عام انتخابات ہوئے' جن کے نتیجے میں خالدہ ضیاء دوبارہ وزیراعظم منتخب ہوئیں۔ ان سطور کی تحریر کے وقت تک وہ اس عہدہ پر متمکن ہیں اور بنگلہ دیش کے ویسے ہی مسائل و مصائب کا سامنا کر رہی ہیں' جیسے تیسری دنیا اور بالخصوص ہر مسلم ملک کو درپیش ہیں۔

☆☆☆

باقی رقم سے یہ سامان بنایا: ایک گدّا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' دو تکیے' ان میں بھی کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی' پانی لانے کے لیے ایک مشکیزہ' گندم میسر ہو یا جو تو اسے پیسنے کو ایک چکی' ایک دو برتن۔ یہ اُن پیسوں سے خریدی ہوئی چیزیں تھیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زرہ بیچ کر حاصل کیے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی جیب سے ایک پیسے کی بھی کوئی شے نہیں دی' جسے جہیز کہا جا سکے۔

حضور ﷺ کی دو بیٹیوں کے نکاح تو مکّہ مکرمہ میں ہو چکے تھے' جبکہ حضرت فاطمہ اور حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہما کے نکاح ہجرت کے بعد مدینے میں ہوئے۔ اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاں جا رہی تھیں۔ وہاں چونکہ بھرا گھر تھا اور ضرورت کی ہر شے موجود تھی اس لیے کوئی چیز دینے کا ذکر نہیں ملتا۔ ذرا غور کیجئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اتنی بے انصافی کرتے کہ ایک بیٹی کو تو جہیز دیتے جبکہ دوسری کو نہ دیتے!

جہیز کی اس لعنت کی جڑ کاٹنا آسان نہیں ہے۔ باقی سارے کام ہو جائیں گے' لیکن یہ مسئلہ دولت کا ہے' اور ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ (العٰدیٰت) کے مصداق انسان کو دولت بڑی پیاری ہے۔ لڑکے والے جہیز مانگتے ہیں اور لڑکی والے مجبور ہیں کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں' انہیں ساری عمر اپنے ہاں بٹھائے تو نہیں رکھنا' لہٰذا میں نے اس کو ان شرائط میں شامل نہیں کیا کہ اگر جہیز ہوگا تو میں نکاح نہیں پڑھاؤں گا۔ البتہ یہ عہد لیا کہ جہیز کی نمائش نہیں ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ وہ عین شادی کے موقع پر نہ دیا جائے' شادی سے چند دن پہلے یا چند دن بعد پہنچا دیا جائے۔ اگر آپ ہدیہ دے دیتے ہیں تو اس سے کوئی منع نہیں کر سکتا' کوئی اسے حرام نہیں کہہ سکتا' لیکن اس کو وراثت کی جگہ سمجھنا کفر ہے۔ وراثت کے موضوع پر جو آیات قرآن مجید میں آئی ہیں ان میں صراحت کے ساتھ حکم ہے کہ: ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ (النساء: ۱۱) ''یہ اللہ کی طرف سے فرض ہے (اسے تسلیم کرو)''۔ ایک اور آیت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ: ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ﴾ (النساء: ۷) ''چاہے وہ (ترکہ) کم ہو

خطبہ ——— ایک اہم ذریعۂ تعلیم

آخری اصلاح ہم نے خطبۂ نکاح کے معاملے میں کی۔ کوئی بھی خطبہ درحقیقت تعلیم و تربیت کے لیے ہوتا ہے۔ حضورﷺ کے زمانے میں نہ مدرسہ تھا' نہ کالج' نہ کتابیں' قرآن بھی پورا ایک جلد کے اندر کسی کے پاس موجود نہیں تھا۔ نہ کوئی ویڈیو اور آڈیو ذرائع تھے۔ تعلیم کا طریقہ بس یہی تھا کہ کسی بھی موقع پر جب مسلمان جمع ہوں—— جیسے کسی نکاح کی تقریب میں' نمازِ عیدین و جمعہ کے لیے' لشکر کی روانگی کے وقت' کسی بیرونی وفد کی آمد کے موقع پر—— تو خطبہ دیا جائے گا۔ اس خطبے ہی میں ساری تعلیم ہوتی تھی۔ سب سے مکمل اور سب سے زیادہ دیا جانے والا خطبہ وہ ہے جو جمعہ کے دن دیا جاتا ہے۔ لیکن اب فرق یہ واقع ہو گیا ہے کہ ہمارے ہاں جو مسنون خطبے پڑھے جاتے ہیں وہ تو ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ع ''زبانِ یارِ من عربی و من عربی نمی دانم!'' دیہات میں تو خطبہ پڑھنے والے کو بھی نہیں پتہ ہوتا کہ میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ وہ کتاب کھول کر اٹک اٹک کے پڑھ رہا ہوتا ہے' البتہ شہروں میں مساجد کے اندر علماء ہیں جو کتاب سے پڑھے بغیر زبانی بھی خطبہ دے دیتے ہیں۔ عرب میں تو جو خطبہ بھی دیا جاتا ہے ''از دِل خیزد بر دِل ریزد'' کے مصداق اس کے کسی ترجمہ اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک اور بات میں آپ کو تاریخی حیثیت سے بتاؤں۔ دورِ جاہلیت میں نکاح کے موقع پر دو خطبے ہوا کرتے تھے۔ ایک خطیب لڑکی والوں کی طرف سے ہوتا تھا' جو کھڑے ہو کر لڑکی کے خاندان کی شان و شوکت پر تقریر کرتا کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے' ہماری یہ حیثیت اور عزت تھی' ہمارا یہ دبدبہ تھا۔ پھر ایک خطیب لڑکے والوں کی طرف سے کھڑا ہو جاتا تھا جو اپنے خاندان کی عظمت کا راگ الاپتا تھا۔ ان دو خطبوں کو حضورﷺ نے ایک خطبہ بنا دیا۔ اس میں حمد و ثنا اللہ کے لیے رکھی اور قرآن مجید سے چار آیتیں جمع کر دیں۔ یہ تعلیم کا ذریعہ تھا' لیکن آج ہمارے ہاں نکاح خواں اسے ایک کونے میں بیٹھ کر ایسے سناتا ہے جیسے صرف دولہا کو کچھ سنانا مقصود ہو۔ عرب میں خطبہ

فکرِ اقبال
اور
مغرب کی تمدنی و استعماری یلغار

تحریر: ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

علامہ محمد اقبال نے شعور کی آنکھ کھولی تو ''مغرب'' ان کے وطن ہندوستان میں حاکم و حکمران کی حیثیت سے موجود و مسلط تھا۔ برطانیہ' جو مغربی غلبہ و استیلاء کی علامت تھا اور اپنی پوری سیاسی' تہذیبی' علمی و فکری اور فوجی قوت کے ساتھ برعظیم پر قابض و متصرف تھا۔ اقبال کی تعلیم' اوّل تا آخر' انگریزوں کے قائم کردہ اداروں میں ہوئی۔ یوں تو اقبال کے ایک استاد پروفیسر آرنلڈ کا تعلق بھی ایک انگریزی ادارے ہی سے تھا' مگر آرنلڈ نے اقبال میں مزید علم حاصل کرنے کی جوت جگائی اور یہی سودائے علم اور اسی شرابِ علم کی لذت انہیں کشاں کشاں یورپ لے گئی۔ اگرچہ انہوں نے بیرسٹرایٹ لاء اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں مغربی مراکز علوم و فنون سے حاصل کیں' مگر یہ بالکل واضح ہے کہ یورپ کے مقاصدِ تعلیم اور اقبال کے مقاصدِ حیات میں ایک واضح تضاد اور حد درجہ مغائرت تھی۔

قیامِ یورپ میں مغربی علوم اور جدید فلسفہ و ادب کے مطالعے' عقلی' فکری اور سیاسی تحریکوں سے واقفیت' یورپی حکماء و شعراء سے اخذ و اکتساب اور ''درسِ حکیمانِ فرنگ'' نے اقبال کی عقلی و ذہنی استعداد کو تو ضرور بڑھایا' لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں مغربی علم و دانش کی کم بصری اور نارسائی کا بھی شدید احساس ہونے لگا۔ انہوں نے یورپ کی ''کانِ نمک'' میں اپنی تشخصی انفرادیت کو برقرار رکھا۔ یقیناً یہ ''صحبتِ صاحب نظراں'' کا اثر تھا۔ [اقبال کی زندگی میں سب سے پہلے صاحبِ نظر خود اُن کے والد ماجد شیخ نور محمد تھے اور دوسرے مولوی میر حسن] گو اقبال تین برس تک یورپ کے بعض ملحد فلسفیوں سے بھی درس لیتے رہے (مے از میخانہ

ناقدانہ ردّعمل کے سلسلے میں علامہ اقبال کے ایک خط کا ذکر ضروری ہے۔ وحید احمد کے نام ۷ ستمبر ۱۹۲۱ء کو لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں سب سے زیادہ بڑا دشمن، اسلام اور اسلامیوں کا، نسلی امتیاز وملکی قومیت کا خیال ہے۔ پندرہ برس ہوئے، جب میں نے پہلے پہل اس کا احساس کیا۔ اس وقت میں یورپ میں تھا اور اس احساس نے میرے خیالات میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپ کی آب وہوا نے مجھے مسلمان کر دیا۔''(۶)

اس اعتبار سے وہ یورپ اور وہاں کے صاحبانِ حکمت ودانش کے بھی ممنون ہیں۔ اقبال کی اس حکیمانہ بصیرت میں، جس نے انہیں فکری وذہنی توازن عطا کیا، مغربی علومِ حکمت کے سرچشموں کا بھی دخل ضروری ہے۔

درج بالا اقتباس میں، اقبال نے نسلی ووطنی قومیت کو دشمنانِ اسلام وملتِ اسلامیہ میں سرفہرست قرار دیا ہے۔ فی الحقیقت اقبال کی ذہنی تبدیلی میں تین عناصر کارفرما تھے:

۱) مغرب کی ملحدانہ مادّہ پرستی

۲) علاقائی اور وطنی قومیت کا تصور

۳) لادین سیاست

اگرچہ اقبال، مغرب کی تمدنی اور معاشرتی خوبیوں، جیسے وقت کی پابندی، صفائی، کاروباری دیانت، محنت پیہم اور سلیقہ شعاری وغیرہ کے قائل ہیں اور اس کی صنعتی ترقی، سائنسی ایجادات، روشنی علم وہنر اور اختراعی وتخلیقی کاوشوں کے بھی مداح ہیں، مگر انہیں اندیشہ تھا کہ ہم مشینی ترقی کے ظاہری طمطراق ہی میں الجھ کر نہ رہ جائیں۔ ''Reconstruction'' کے پہلے خطبے میں ایک جگہ کہتے ہیں:

"...... the world of Islam is spiritually moving towards the West. There is nothing wrong in this movement, for European culture, on its intellectual side, is only a further development of some of the most important phase of the culture of Islam. Our only fear is that the dazzling exterior of European culture may arrest our movement and we may fail to reach the true inwardness of that culture."(۷)

علامہ اقبال نے ہمیں متوجہ کیا کہ:

روحانیت‘ انسانیت‘ سب کچھ پسِ پشت۔ خدا فراموشی لادینی مادّہ پرستی کا سبب بھی ہے اور اس کا منطقی نتیجہ بھی...... گویا دونوں لازم وملزوم ہیں۔ ساری تگ وتاز کا منتہا ومقصود درخشندہ فلزّات کا حصول ہے۔ پھر اس مادّہ پرستانہ ہوس نے سرمایہ داری کے اس مکروہ نظام کو جنم دیا‘ جس کے نتیجے میں یورپ کی بڑی بڑی وطن پرست قوموں کے درمیان (جو سب دین مسیحی کی پیروکار تھیں اور تہذیب نو کی علمبردار بھی) معاشی مفادات‘ کاروباری اغراض اور نوآبادیاتی رقابتیں رنگ لائیں۔ باہمی عداوتیں‘ نفرتیں‘ سازشیں‘ سیاسی بلاک‘ منافقانہ معاہدے مگر نام ''مجلسِ اقوام'' (League of Nations)......

فی الحقیقت برطانیہ‘ فرانس‘ اٹلی اور روس آپس میں سخت دشمن تھے‘ مگر سامراجی اور مادّی مفادات نے انہیں متحد کر دیا‘ اور یہ اپنے ہم مذہب جرمنی اور آسٹریا کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ ہر فریق کا ایک ہی مسئلہ تھا کہ وہ اپنے حق سے زیادہ مادّی فوائد کے حصول‘ اپنی سلطنت کی وسعت اور دوسروں پر غلبہ پانے کا خواہش مند تھا۔ جنگ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) نے اقبال کے خدشوں کی تصدیق کر دی۔ بے شک تہذیب مغرب کے علم برداروں نے امن وانصاف اور ترقی وخوشحالی کے لیے ''مجلس اقوام'' قائم کر لی تھی‘ مگر اقبال کی بصیرت نے بجا طور پر اسے ''کفن چوروں'' کی ایک جماعت قرار دیا۔ مغربی استعمار کی شاطرانہ سیاست میکاولی ''مرسلے از حضرتِ شیطان'' کے فلسفے پر قائم تھی۔ اس ''باطل پرست'' نے سیاست کاری اور استعمارانہ مار دھاڑ کے لیے مکاری‘ حیلہ بازی‘ دروغ بیانی اور عہد شکنی کو عین جائز‘ بلکہ ضروری قرار دیا تھا۔ اس ابلیسی نظام کی تمدنی یلغار‘ ایشیا اور افریقہ کی کمزور قوموں کو مغلوب کرنے کے لیے‘ اب بھی جاری ہے۔ کہیں یہ ملوکیت کی شکل میں ہے‘ کہیں اشتراکیت کے بھیس میں اور کہیں جمہوریت کے لباس میں‘ مگر اقبال کہتے ہیں: ؏

''ہم نے خودشاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس''۔

دراصل علامہ اقبال ''جمہوری تماشے'' کے کچھ زیادہ قائل نظر نہیں آتے اور رائج الوقت تصورِ جمہوریت ان کے حلق سے نہیں اترتا۔[۱۳] اقبال کے زمانے میں برطانوی نظمِ حکومت دنیا کا سب سے بڑا اور عمدہ نمونۂ جمہوریت خیال کیا جاتا تھا‘ مگر دنیا کا سب سے بڑا استعمار بھی یہی برطانیہ تھا۔ ؏

چہرہ روشن‘ اندروں چنگیز سے تاریک تر

مغرب نے تہذیب‘ تمدن‘ ثقافت‘ کلچر‘ آزاد خیالی‘ لبرل ازم‘ انسانی حقوق[۱۴] تحریکِ

دردمندی سے اقوامِ شرق کو اس طرف متوجہ کیا ہے:

آدمیت زار نالید از فرنگ　　زندگی ہنگامہ برچید از فرنگ
یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد　　زیر گردوں رسمِ لادینی نہاد
گرگے اندر پوستینِ برّہ　　ہر زماں اندر کمینِ برّہ
مشکلاتِ حضرتِ انساں ازوست　　آدمیّت را غمِ پنہاں ازوست
در نگاہش آدمی آب و گل است
کاروانِ زندگی بے منزل است (۱۸)

مغرب پر یہ تنقید اقبال نے اس زمانے میں کی جب پورا مشرق اور عالمِ اسلام مغرب کے سامراجی تسلط میں جکڑا ہوا تھا اور اسے مغرب کی تہذیبی اور تمدنی یلغار کا سامنا تھا۔ اقبال کی تنقید بے حد جرأت مندانہ تھی۔ ہماری فکری اور شعری وادبی تاریخ میں مغرب سے مرعوبیت کے خلاف ایسی بھرپور آواز اٹھانا' اقبال کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بقول سید ابوالاعلیٰ مودودی:

''سب سے اہم کام جو اقبال نے انجام دیا' یہ تھا کہ انہوں نے مغربیت اور مغربی مادّہ پرستی پر پوری قوت کے ساتھ ضرب لگائی۔ [اس سے] مسلمانوں پر مغرب کی جو مرعوبیت طاری تھی' وہ کافور ہونے لگی' اور واقعہ یہ ہے کہ اس مرعوبیت کو توڑنے میں اکیلے اقبال کا کارنامہ سب سے بڑھ کر ہے۔''(۱۹)

علامہ اقبال ۱۹۳۸ء میں دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ زوال پذیر مغرب میں اب بھی خاصا دم خم باقی تھا' چنانچہ کمزور قوموں پر اس کی مجرمانہ یلغار برابر جاری رہی۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۴ء) میں اس کے جرائم تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹمی بمباری کا سیاہ داغ تو ہمیشہ اس کی سفاکی کی یاد دلاتا رہے گا' مگر وہ اپنی داغ دار پیشانی کے باوجود شرمندہ نہیں اور اس کی پیشانی پر عالمِ انسانیت کے خلاف اس کی سازشیں آج بھی جاری ہیں:

در جنیوا' چیست غیر از مکر و فن　　صیدِ تو' ایں میش و آں نخچیرِ من
نکتہ ہا کو می نہ گنجد در سخن　　یک جہاں آشوب و یک گیتی فتن (۲۰)

خاص بات یہ ہے کہ اب استعماریوں کی مجرمانہ یلغار کا نشانہ اسلامی اقوام ہیں۔ انہوں

۳) بانگ درا، ص ۱۴۱۔ ۴) بالِ جبریل، ص ۱۳۰۔
۵) بال جبریل، ص ۶۹۔ ۶) انوارِ اقبال، ص ۱۷۶۔
۷) Reconstruction، ص ۶۔ ۸) ضربِ کلیم، ص ۱۷۔
۹) بال جبریل، ص ۵۸۔ ۱۰) بال جبریل، ص ۱۰۷، ۱۰۸۔
۱۱) پس چہ باید کرد، ص ۴۳۔

۱۲) جدید معاشیات کا باوا آدم ایڈم سمتھ، سرمایہ داروں کی زر پرستانہ ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے، ایک جگہ کہتا ہے: ''کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ جب کاروباری لوگ کہیں باہم جمع ہوں اور ان کی صحبت پبلک کے خلاف کسی سازش اور قیمتیں چڑھانے کے لیے کسی قرارداد پر ختم نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ تقریبات تک میں مل بیٹھنے کا جو موقع مل جاتا ہے، اس کو بھی یہ حضرات اس جرم سے خالی نہیں جانے دیتے۔ (بحوالہ: اسلام اور جدید معاشی نظریات، سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۲۹) سرمایہ داری کے علاوہ خدافراموشی اور لادینی مادّہ پرستی کی ایک دوسری شکل اشتراکیت کی ہے، جس کا پہلا نمونہ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے خون آشام ''سرخ سویرے'' کی صورت میں سامنے آیا تھا۔ روس کے نوبل انعام یافتہ ناول نگار سولزے نٹسن کو منحرف قرار دے کر روس سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر آپ مجھ سے یہ سوال کریں کہ آخر روسی انقلاب نے جو چھ کروڑ انسانوں کو نگل لیا تو اس کی بنیادی وجہ کیا تھی، تو اس کا صحیح ترین اور مختصر جواب یہ ہے کہ ''لوگ خدا کو بھول گئے''۔

۱۳) ۲۹ نومبر ۱۹۲۹ء کو طلبہ یونین علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سپاس نامے کے جواب میں علامہ اقبال نے کہا: ''تیسری چیز جو انگلستان نے ہم کو دی ہے، وہ ایک مشتبہ قدر و قیمت کی چیز ہے اور وہ ڈیما کریسی ہے، اور جو بہ مقدار کثیر آئندہ آنے والی ہے، وہ افسوس ہے کہ میرے دل کو نہیں بھائی۔ ذاتی طور پر میں اس ڈیما کریسی کا معتقد نہیں ہوں اور محض اس لیے اس کو گوارا کر لیتا ہوں کہ اس کا فی الحال کوئی نعم البدل نہیں ہے......'' (گفتارِ اقبال، ص ۱۰۳، ۱۰۴)

۱۴) ''حقوق انسانی'' کی اصطلاح کو بھی استعماری طاقتوں، خصوصاً امریکہ نے، کمزور اور معتوب قوموں کے استحصال کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ ایک دلچسپ واقعہ ڈاکٹر صفدر محمود نے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''جون ۱۹۹۱ء میں ایک بین الاقوامی سیمینار کے ضمن میں مجھے سان فرانسسکو جانے کا موقع ملا۔ اس سیمینار میں ایشیائی ممالک کے اسکالرز کے علاوہ مختلف امریکی یونیورسٹیوں سے بھی ممتاز پروفیسر صاحبان بلائے گئے تھے۔ سیمینار کے آغاز سے ایک روز قبل میں نے ٹیلی ویژن آن کیا تو ایک دلچسپ خبر مع تبصرہ سننے کو ملی۔ کیلیفورنیا کی ریاست میں جنگلات کے وسیع ذخیرے پائے جاتے ہیں، کیونکہ وہاں عمارات کی تعمیر میں لکڑی کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ خبر یہ تھی کہ کٹائی کے دوران ماہرین جنگلات کو اچانک پتا چلا کہ اس جنگل میں ایک الّو صاحب نے اپنا مستقل ''گھر'' بنا رکھا ہے اور جب سے درختوں کی کٹائی کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔ الّو صاحب اداس رہنے لگے ہیں۔ الّو کی اداسی کی خبر سے اس علاقے میں احتجاج ہوا اور کیلی فورنیا کی حکومت نے جنگلات کی کٹائی روک دی، جس سے لکڑی کی قیمت میں اضافہ ہو گیا اور گھروں کی تعمیر قدرے مہنگی ہو گئی۔ میں نے یہ ساری خبر اور اس پر تبصرہ ٹیلی ویژن پر سنا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

چائے کا ایک گھونٹ لیا اور پھر ٹھنڈی آہ بھر کر کہنے لگی کہ میری ماں کا ایک بوائے فرینڈ تھا۔ اس کے نطفے سے میں دنیا میں آ گئی۔ میں نے جب سے بات کرنی سیکھی ہے' میں اپنی والدہ سے یہی پوچھ رہی ہوں کہ میرا باپ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ اور اس نے بے شمار مرتبہ اس کا ذکر کچھ یوں کیا ہے کہ وہ ایک عرب طالب علم تھا۔ تقریباً چھ فٹ قد کا تھا' ابھرے نقش ونگار کا مالک۔ گندمی رنگ تھا اور لٹریچر میں پی ایچ ڈی کر رہا تھا۔ میں اس کی تلاش میں ہوں۔ جب بھی اس طرح کا کوئی آدمی مل جاتا ہے' میں اس کے قریب چلی جاتی ہوں کہ شاید مجھے اپنی شناخت مل جائے۔ میں نے افسوس کا اظہار کیا' مرد کو برا بھلا کہا۔ وہ چائے پی کر چلی گئی اور میں دیر تک سوچوں میں گم رہا۔

راوی کہتے ہیں کہ جب میرے دوست نے یہ کہانی ختم کی تو میں نے پوچھا: ایسے کتنے لوگ ہوں گے جو اپنی شناخت کی تلاش میں ہوں گے؟ اس نے جواب دیا: حکومت نے کام بہت ہی آسان کر دیا ہے۔ اب پاسپورٹ میں باپ کے نام کی جگہ ماں کا نام لکھا جاتا ہے' کیونکہ ماں کا پتا چل جاتا ہے' باپ کا پتا لگانا بہت ہی مشکل ہے۔ (بہ حوالہ: ماہنامہ افکارِ معلم' لاہور' مئی ۱۹۹۲ء)

۱۷) تنہائی کی بدترین صورت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ بوڑھے والدین' جو آخر عمر میں دیکھ بھال اور نگہداشت کے سب سے زیادہ مستحق ہوتے ہیں' نہ صرف اپنے بچوں کی توجہ سے محروم رہتے ہیں' بلکہ ان کا بڑھاپا ''اولڈ ہاؤس'' میں بے کسی اور بچوں اور پوتوں' پوتیوں اور نواسوں' نواسیوں کو دیکھنے کی حسرت میں گزرتا ہے...... اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ ایامِ جوانی میں وہ بھی اولاد کی ذمہ داریوں اور ان کے حقوق ادا کرنے کے بجائے عیش وعشرت' نفس پرستی اور مادّی آسودگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ معروف عربی مجلّے ''البحوث الاسلامیہ'' کے مدیرِ اعلیٰ ڈاکٹر محمد بن سعد اپنے سفرِ امریکہ کا ایک مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ۱۹۸۰ء میں سردیوں کے موسم میں اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ کلوراڈو سپرنگ میں مشرقی کھانوں کی تلاش میں گھوم رہا تھا۔ سردی بہت شدید تھی۔ ہم جلدی جلدی چل رہے تھے۔ راستے میں ہم نے ایک نوجوان لڑکی کو سڑک کے کنارے کھڑا سردی میں کانپتے دیکھا۔ وہ ہر گزرنے والے کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہمارے ایک دوست کو تجسس ہوا' اس نے امریکی معاشرت کی جھلک دیکھنے اور اس کے اصلی رنگ کو تہہ تک دیکھنے کے شوق میں ہمیں بھی روک لیا۔ قریب جا کر اُس لڑکی سے اس کی اس قابلِ رحم حالت کا سبب دریافت کیا تو پتا چلا کہ مجبوراً گھر سے نکلی ہے' کیونکہ اس کا باپ اس سے مکان کا کرایہ اور ہفتہ وار مصارف کی رقم طلب کر رہا ہے۔ باپ اپنی نوجوان بیٹی کی رہائش اور خوراک کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہیں۔ لڑکی کی عمر اٹھارہ سال ہے اور امریکی قانون کی رو سے اس عمر کے ہر فرد کو اپنی کفالت کی ذمہ داری خود پوری کرنی ہے۔ (ہفت روزہ المسلمون' دسمبر ۱۹۸۵ء)

۱۸) مثنوی پس چہ باید کرد' ص ۴۳۔

۱۹) اقبال اور پاکستان: کنول آرٹ پریس لاہور [۱۹۷۰ء] ص ۸۷۔

۲۰) مثنوی پس چہ باید کرد' ص ۴۵   ۲۱) مثنوی پس چہ باید کرد' ص ۴۶۔

۲۲) مثنوی پس چہ باید کرد' ص ۴۵۔   ۲۳) مثنوی پس چہ باید کرد' ص ۴۶۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

عہد نبویؐ میں شعبۂ مالیات کے ذمہ دار

تحریر: الیاس نعمانی

سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ یوں تو حبشی الاصل ہیں، لیکن آپ عرب میں ہی پیدا ہوئے اور وہیں رہے۔ آپؓ کے والدین (والد رباح اور والدہ حمامہ) بھی غلام تھے،(۱) لہٰذا آپؓ نے بھی غلامی کی زندگی ہی میں آنکھ کھولی اور ایک زمانہ تک غلام رہے۔ آپؓ کس کے غلام تھے؟ مصادر اس سوال کے جواب میں متفق نہیں۔ بعض میں آپؓ کو اُمیہ بن خلف کا غلام بتلایا گیا ہے،(۲) بعض آپؓ کو بنو جمح کے کسی گمنام فرد کا غلام کہتے ہیں (۳) جب کہ بعض مصادر سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ بنو جمح کے ایک فرد عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے۔(۴)

ولادت عام الفیل سے تین سال بعد بنو جمح میں مقام سراۃ میں ہوئی(۵) اور پرورش و پرداخت بھی وہیں پر ہوئی۔ بنو جمح میں بحیثیت غلام زندگی گزار رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت شروع کی۔ جن چند لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ابتدا ہی میں قبول کیا اُن میں ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔(۶) ابنِ عساکر نے اپنی کتاب تاریخِ دمشق میں آپؓ کے اسلام لانے کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ آپؓ ایک روز اپنے آقا کی بکریاں چرانے نکلے تھے، راستے میں ایک غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گوشہ نشین تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو دیکھا تو آواز دی۔ آپؓ حاضر ہوئے تو فرمایا: کیا دودھ ملے گا؟ آپؓ نے عرض کیا: ان بکریوں میں ایک ہی کے سلسلے میں مجھے اختیار ہے اور اسی سے میں اپنی غذا لیتا ہوں، اگر آپؐ چاہیں تو آج اس کا دودھ آپ دونوں پی لیں اور میں ایسے ہی (بھوکا) رہ لوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لے آؤ! آپؓ لے کر حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دوہا اور خود پیا، پھر دوہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پلایا، پھر دوہا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پلایا، تین مرتبہ دوہنے کے بعد بھی اس کے تھنوں میں دودھ پہلے ہی جیسا تھا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اپنے زیورات اتار کر صدقہ کرنے لگیں۔ اس موقع پر ان سے وصول یابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کی۔ (۱۳)

جعرانہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت تقسیم کیا، تقسیم کے وقت یہ مالِ غنیمت حضرت بلالؓ کے پاس تھا اور آپؐ ان سے لے کر ہی بانٹ رہے تھے۔ (۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ کسی غزوہ کے بعد مال غنیمت جمع کیا جاتا تھا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جمع کرنے کے لئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہی آواز دیا کرتے تھے۔ (۱۵)

غزوۂ حنین کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیفِ قلب کے لئے مختلف لوگوں کو عطیات سے نوازا۔ اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن الفرازی کو سو سو اونٹ دیئے، جب کہ عباس بن مرداس کو صرف پچاس اونٹ دیئے۔ انہیں یہ بات ذرا ناگوار گزری اور انہوں نے اس پر شکوہ کرتے ہوئے چند اشعار بھی کہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس کا علم ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کو مزید عطیات دو۔ (۱۶)

دارمیؒ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مُد کھجور رکھی ہوئی تھی، مجھے ایک جگہ اُس سے اچھی کھجور نظر آئی، میں نے دو صاع سے ایک صاع کھجور بدل لی، جب میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آیا تو آپؐ نے پوچھا بلال! یہ کہاں سے آئیں؟ میں نے عرض کیا کہ اپنے دو صاع دے کر ایک صاع ایک جگہ سے لی ہیں...... آپؐ نے فرمایا کہ اسے واپس کر دو اور ہماری کھجور واپس لاؤ۔ (۱۷) یہ ایک الگ بحث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کھجوریں کیوں واپس کر دیں، یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مال حضرت بلالؓ کے پاس رہتا تھا، اور صرف رہتا ہی نہیں تھا بلکہ ان کو اس میں تھوڑا بہت تصرف کرنے کا اختیار بھی ہوا کرتا تھا۔

حنین سے جو مالِ غنیمت آیا تھا اس میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سو اُونٹ اور چالیس اوقیہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعہ دلوائے۔ (۱۸)

وفد بنو ثقیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ماہِ رمضان میں آیا اور کچھ دنوں کے بعد پورا کا پورا وفد اسلام لے آیا، اس وفد کے ایک رکن کا بیان ہے کہ ہمارے اسلام لانے کے بعد ہماری سحری اور ہمارے افطار کی ذمہ داری حضرت بلالؓ پر تھی۔ (۱۹)

ابن عساکر نے اپنی تاریخ دِمشق میں حضرت عرباض بن ساریہؓ کی ایک روایت ذکر کی

میرے پاس خوب مال ہے، تم مجھ سے ہی قرض لیا کرو کسی اور سے نہیں۔ میں نے ایسا ہی کیا (روایت کے اگلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قرض لیتے وقت ایک مقررہ مدت طے ہوئی تھی اور یہ بھی طے ہوا تھا کہ اگر اس متعین مدت تک ادا نہیں کیا گیا تو حضرت بلالؓ اس کی بکریاں چرانے پر مامور رہیں گے۔ حضرت بلالؓ کہتے ہیں) ایک دن جب کہ میں وضو کرنے کے بعد اذان دینے جا رہا تھا کہ وہ مشرک جس سے میں نے قرض لیا تھا، تاجروں کی ایک ٹولی کے ساتھ آیا، اور مجھ کو دیکھ کر بولا اے حبشی! میں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے مجھ سے سخت باتیں کیں اور کہنے لگا: جانتے ہو متعین مدت میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا: ہاں جانتا ہوں کہ وہ مدت آیا ہی چاہتی ہے۔ اس نے کہا: صرف چار دن باقی ہیں (اور اگر تم نے اس سے پہلے قرض ادا نہ کیا) تو میں (قرض لیتے وقت کی) طے شدہ شرائط کے مطابق سزا دوں گا، میں نے جو تجھے مال دیا تھا وہ اس لئے نہیں تھا کہ تو یا تیرے صاحب (رسول اللہﷺ) مجھے عزیز تھے، بلکہ میں نے جو تجھے مال دیا تھا تو صرف اس لئے کہ تو میرا غلام ہو جائے اور پھر میں تجھے ویسا ہی چرواہا بناؤں جیسا تو پہلے تھا۔ (حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ اس کی یہ بات سن کر) مجھے ایسی ہی فکر دامن گیر ہوئی جیسی کسی بھی آدمی کو ہونی چاہئے۔ میں وہاں سے چلا، پھر میں نے اذان دی، عشاء کی نماز پڑھی، (نماز کے بعد) رسول اللہﷺ جب اپنے گھر چلے گئے تو میں نے (باریابی کی) اجازت چاہی، آپؐ نے اجازت دی۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، وہ مشرک جس کا میں نے ذکر کیا تھا، اور جس سے میں قرض لیا کرتا تھا، اس نے مجھے ایسا ایسا کہا، نہ میرے پاس اور نہ آپ کے پاس کچھ ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے اور وہ مجھے رسوا کرنے پر تلا ہوا ہے، کیا مجھے اس کی اجازت ہے کہ میں اسلام لے آنے والے قبیلوں کے پاس جاؤں، یہاں تک کہ اللہ اپنے رسول کے لئے کچھ انتظام فرما دے اور میں اپنا قرض ادا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: جب مناسب سمجھنا چلے جانا۔ حضرت بلال کہتے ہیں میں حضورﷺ کے پاس سے نکلا، گھر آیا اور اپنا سامانِ سفر اپنے سر کے پاس رکھ کر اُفق کی جانب چہرہ کر کے لیٹ گیا۔ ہر تھوڑی دیر کے بعد اٹھتا اور یہ دیکھ کر کہ ابھی رات ہی ہے، سو جاتا، یہاں تک کہ جب صبح کاذب ہو گئی تو میں نے چلنے کا ارادہ کیا (ابھی میں ارادہ کر ہی رہا تھا کہ) ایک آدمی آواز دیتے ہوئے آیا: اے بلال! رسول اللہﷺ نے یاد فرمایا ہے۔ میں چل کر آپؐ کی

آپؓ کے اسی منصب کی وجہ سے باہر سے آنے والے مہمانوں کی ضیافت وغیرہ کی ذمہ داری آپؓ کی ہوا کرتی تھی۔ کتب حدیث وتاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مدینہ آنے والے مہمانوں (خواہ وہ اکیلے آئیں یا وفد کی شکل میں) کی ضیافت' ان کو تالیف قلب کے لئے کچھ دینے دلانے' اور ان جیسے بعض دیگر کاموں کی ذمہ داری آپ ہی کی تھی۔ چند مثالیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

رمضان ۹ھ میں فرماں روائے حمیر کے قاصد کے طور پر مالک بن مرارۃ الرہاوی رسول اللہﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان کو ٹھہرانے اور ان کی مہمان نوازی وغیرہ کی ذمہ داری نبی کریمﷺ نے حضرت بلال کو سونپی۔ (۲۲)

۱۰ھ میں عبداللہ البجلی اپنی قوم (بجیلۃ) کے ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف با سلام ہوئے' اسی موقع پر ''اُحمس'' کے اڑھائی سو آدمیوں کا وفد قیس بن غزارہ احمسی کی قیادت میں حاضر ہوا اور وہ مشرف با سلام ہوئے۔ حضور اکرمﷺ نے اس موقع پر بھی ان کو عطیات دینے کے لئے حضرت بلالؓ سے ہی کہا۔ (۲۳)

اسی طرح مختلف مواقع پر رسول اللہ نے وفد تمیم' وفد مرۃ' وفد ثعلبہ' وفد تجیب اور وفد بنو سعد بن ہزیم کو عطیات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ذریعہ دلوائے۔ (۲۴)

ذوالجوشن ضبابی رسول اللہﷺ کی خدمت میں بدر کے بعد حاضر ہوئے' آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی' لیکن انہوں نے اس وقت دعوت قبول نہیں کی۔ رسول اللہﷺ نے ان کے چلتے وقت حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ انہیں کھجوریں بطور ہدیہ دیں۔ (۲۵)

رسول اللہﷺ نے رعیۃ اُحیمی کو اسلام لانے کے لئے خط لکھا' اس نے یہی نہیں کہ اسلام قبول نہیں کیا' بلکہ نامۂ رسول کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا۔ جب آپﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے ایک لشکر بھیجا۔ لشکر پہنچا اور ان کے گھر سے مال و دولت سب لے آیا' اور ان کا بیٹا بھی بعض دیگر لوگوں کے ساتھ گرفتار ہو کر آیا' لیکن خود وہ بھاگ نکلے۔ بعد میں مدینہ حاضر ہوئے اور سب کچھ واپس کرنے کی درخواست کی' رسول اللہﷺ نے ان سے کہا: مال تو تقسیم ہو چکا۔ اور لڑکے کے سلسلے میں آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رعیہ کو گرفتار شدگان کے پاس لے جائیں' اگر یہ اپنے بیٹے کو پہچان لیں (دوسری روایت کے مطابق اگر لڑکا ان کو اپنا باپ کہے) تو اسے حوالہ کر دیں۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گرفتار شدگان

۱۲) مسند احمد، المکتب الاسلامی، ج ۳، ص ۲۸٦۔
۱۳) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب وضوء الصبیان ومتی تجب علیهم الغسل والطهور...... حدیث ۸٦۳۔ وصحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، حدیث ۸۸۴۔
۱۴) صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتهم، حدیث ۱۰٦۳۔ شمس الدین الذہبی: تاریخ الاسلام (حصہ مغازی) دار الکتاب العربی، بیروت، طبع دوم ۱۹۹۰ء، ص ٦۰۴۔
۱۵) مسند احمد، ج ۷، ص ۴۰٦
۱٦) ابن سعد: ج ۴، ص ۲۷۳۔ ابن عبد ربہ الاندلسی: العقد الفرید، لجنة التالیف والترجمة والنشر، مصر، ج ۱، ص ۲۷۷۔
۱۷) سنن الدارمی، کتاب البیوع، باب فی بیع الطعام مثلاً بمثل، حدیث ۲۴٦۳۔
۱۸) مسند احمد، ج ۷، ص ۴۰٦
۱۹) ابن ہشام: السیرة النبویة، دار القلم بیروت، ج ۴، ص ۱۸۵۔
۲۰) مختصر تاریخ دمشق، ج ۱٦، ص ۳۴۱۔
۲۱) صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب صفته واخباره، ذکر ما کان یتمنی المصطفی الاقلال من هذه الدنیا، حدیث ٦۳۵۱۔
۲۲) ابن سعد: ج ۱، ص ۳۵٦۔
۲۳) ابن سعد: ج ۱، ص ۳۴۷۔
۲۴) دیکھئے ابن سعد: ج ۱، ص ۲۹۴، ۲۹۸، ۳۲۳، ۳۳۰۔
۲۵) مسند احمد، ج ۵، ص ۲۸۵۔

(بشکریہ: ماہنامہ الفرقان لکھنؤ)

اسلام، قرآن اور عظمت محمد عربی ﷺ
غیر مسلم مفکرین کی آراء کی روشنی میں

مرتب: حافظ محبوب احمد خان

اسلام ایک ہمہ گیر اور انقلابی دین ہے اور نبی کریم ﷺ کی شخصیت کو بھی اسی انقلابی فکر وفلسفہ کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔ آپؐ نے رنگ ونسل، حسب ونسب، ذات پات جیسے پرانے اور فرسودہ باطل نظریات کا خاتمہ کر کے ان تمام پابندیوں سے آزاد اور بالاتر فکر وفلسفہ پر مبنی ایک عالم گیر معاشرہ قائم کیا، جس میں عزت وتکریم کی بنیاد رنگ ونسل، زبان ودولت اور شاہی وگدائی کو نہیں صرف اور صرف نیکی کو حاصل ہے۔ اسی عزت وتکریم کے احساس نے انسان کو مایوسی سے نکالا اور اسے ایک خود اعتماد معاشرے کا باعزت فرد بنایا، جس پر کبھی حرماں نصیبی غلبہ نہیں پاتی۔ اسلام کا نظامِ اخلاق انفرادیت کا حامل ہے۔ اس کا نظامِ معیشت سب سے جدا ہے۔ اس کا نظامِ معاشرت ایک پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کا ضامن، اس کا نظامِ معاملات ایک مضبوط معیشت اور مضبوط معاشی نظام کی بنیاد، اس کا نظامِ عبادات ایک پاکیزہ و باکردار شخصیت کی تکمیل، اس کا نظامِ جنگ دنیا کے لئے باعث امن، اس کی فتح اور اس کا غلبہ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات ہے۔ گویا اسلام نوعِ انسانی کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اسلام کا نظامِ معیشت صدیوں ایک برتر طاقت کی حیثیت سے دنیا کے منظر میں نظر آتا ہے، جبکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام جو بڑے زور وشور سے دنیا نے اپنایا، دوسو سال کے بعد ہی ہانپنے لگا ہے۔ سیکولرزم جیسا رفاہی وفلاحی سسٹم بھی ستر سال بعد ہی دم توڑ گیا ہے۔ دنیا کو پھر بالآخر اسلامی نظامِ معیشت ہی کو اپنانا ہوگا جس نے صدیوں انسانیت کی رہنمائی کی۔ وہی بالآخر دنیا کو امن وسکون کی وہ فضا دے گا جس کی انسانیت طلب گار رہے۔

بطورِ مسلمان تو کہا جاسکتا ہے کہ ان الفاظ میں مبالغہ آرائی بھی ہوسکتی ہے، تاہم اگر ہم

افراد کے معیار کے مطابق ہے۔ مقام ''سنخ'' میں بنی جھونپڑی نے دنیا کے ان تمام لوگوں کو جو معاشرے میں پست معیارِ زندگی رکھتے ہیں' ایک نئی مساواتِ انسانی کا درس دیا۔ مسٹر براؤن اپنی معروف کتاب ''ہسٹری آف پرشین لٹریچر'' میں ایک سوال کا جواب یوں دیتے ہیں:

''خلفائے راشدین اصل معنی میں حکمران ہیں۔ انہیں حکومت کے سب لوازمات حاصل تھے۔ خزانۂ عامرہ اور جیوش قاہرہ اُن کے پاس تھے' مگر پھر بھی وہ عام مسلمانوں جیسا سادہ لباس جس پر کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے' زیب تن کرتے تھے۔ ایک وقت میں ایک ہی قسم کے طعام سے بہرہ ور ہوتے تھے' اپنا کام خود کرتے تھے۔ ان کا مکان عام مسلمانوں کے مکان جیسا کچا اور چھوٹا ہوتا تھا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ [وہ خود اِس کا جواب دیتے ہیں] اس لئے کہ عوام یہ نہ محسوس کریں کہ ان کے حکام ان سے علیحدہ یا ان سے برتر ہیں۔ اس طرح ان کا عندیہ حقیقی مساوات قائم کرنا تھا۔ ہر شخص خلیفہ کے اشارہ پر چلتا' کیونکہ وہ اپنے اور خلیفہ کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں کرتا تھا''۔

خلفائے راشدین نے حکمرانی کو قیصر و کسریٰ کے محلات سے نکال کر جھونپڑی میں لا ڈالا۔ حکمرانی کی تاریخ میں یہ انقلاب زمانے نے کب دیکھا تھا! یہ تو محمد عربی ﷺ کے تربیت یافتہ پیروکار ہی انجام دے سکتے تھے اور تاریخ نے حکمرانی کو ''رسوا'' ہوتے دیکھا ہے تو انہی جان نثاران صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں۔

اسلام نے جو نظامِ معاشرت قائم کیا' اس میں رنگ و نسل کی تمیز ختم کر کے عزت و تکریم کا معیار مروّجہ زمانے سے ہٹ کر ایک نئے نظریہ کو بنایا۔ اس زمانے میں جب عزت کا معیار دولت' اقتدار' کثرتِ افراد اور خاندانی حسب و نسب تھا' تقویٰ کو باعث تکریم بنانا ایک انقلابی قدم تھا۔ مظلوم کو ظلم سے' غلام کو غلامی سے نجات دی۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان نے ایک اقتباس اپنی کتاب ''موسیو دوال'' سے نقل کیا ہے:

''اسلام ہی کی بدولت لکڑی کی مورتیاں اور بُت اس ملک سے مفقود ہو گئے۔ انسان کی آدم خوری موقوف ہو گئی۔ عورت کے حقوق مقرر ہوئے' تعددِ ازدواج کو محدود اور باقاعدہ کیا گیا۔ خاندانی حقوق مضبوط و مستحکم ہوئے۔ غلام خاندان کا ایک جزو بن گیا اور آزادی کا دروازہ اس کے سامنے کھلا۔ نماز' روزہ اور مہمان داری نے اوضاع قومی کو برتر بنا دیا۔ انصاف اور خیرات کا خیال ہر شخص میں پیدا ہوا اور حکام نے محسوس و معلوم کر لیا کہ ان کے بھی ایسے ہی فرائض ہیں جیسے ان کی رعایا کے۔ یہاں کی

پیروی سے دنیا خوشحال ہوسکتی ہے اور دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا''۔

ابتدائے کائنات سے ہی خیر اور شر کے درمیان جنگ جاری ہے۔ اگر انسانیت نے خیر پایا ہے تو وہ تعلیماتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور کتب الٰہی سے۔ انسانیت جس خیر کی تلاش میں ہے وہ بھی تعلیماتِ نبویؐ اور قرآن کریم ہی سے حاصل ہوگا اور بالآخر خیر کو شر پر غلبہ حاصل ہوگا۔ پروفیسر کارلائل اس بارے میں کہتے ہیں:

> ''میرے نزدیک قرآن میں خلوص و سچائی کا وصف ہر پہلو سے موجود ہے۔ اور یہ بالکل کھلی اور سچی حقیقت ہے کہ اگر کوئی خوبی پیدا ہوسکتی ہے تو اسی سے پیدا ہوسکتی ہے''۔

اس مضمون کے عنوان کے حساب سے اب تیسرا مرحلہ محمد عربی ﷺ کی شخصیت کا ہے' کیونکہ اسلام کی عظمت وسطوت اور اس کا پیغام آپؐ کے ارفع و عظیم کردار میں مضمر ہے۔ تاریخ انسانی میں سب سے گہرا اثر جس شخصیت نے اپنی تعلیمات و کردار سے چھوڑا ہے وہ بلاشبہ آپ ﷺ ہی کی شخصیت مبارکہ ہے۔ آپؐ مظلوموں کے سہارا' یتیموں کے والی' غریبوں کے مولیٰ' عدل و انصاف اور مساواتِ انسانی کے نقیب ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرتِ مبارکہ ہر دور میں' ہر قوم میں انسانوں کے لئے کامل ہدایت رہی ہے اور تا قیامت رہے گی۔ آپ ﷺ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے جو بھلائی کی' دشمنوں کے ساتھ جو حسنِ سلوک کیا وہ آنے والی نسلوں اور قوموں کے لئے مشعل راہ ہے۔ تاریخ اندلس وسلطنت عثمانیہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس سے یقیناً بے خبر نہیں ہیں کہ آپ ﷺ کی اسی تعلیم کے پیروکار مسلمان حکمرانوں نے باوجود عیسائیوں کی بے وفائی کے ہر بار اپنے معاہدہ کا پاس کیا اور عیسائیوں کی وعدہ شکنی کو ہر بار معاف کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی شجاعت و بسالت' صداقت و شرافت اور امانت و صداقت کے اسوۂ حسنہ سے غیر مذاہب کے لوگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آپ ﷺ شرم و حیا کا پیکر اور پاسداری کا مجسمہ تھے۔ آپؐ کی شخصیت کا ایک خاکہ دنیائے کفر کے چند بڑے ناموں کی آراء میں دیکھتے ہیں۔ جارج برناڈ شا نے لکھا ہے:

> ''میں نے ہمیشہ حضرت محمد (ﷺ) کے مذہب کو بڑے احترام سے پڑھا ہے' کیونکہ اس میں حیرت انگیز کشش اور نئی زندگی ہے۔ اگر دنیا میں آپؐ جیسا حکمران پیدا ہو جائے تو تمام مسائل حل ہو جائیں اور اطمینانِ دائمی میسر ہو جائے۔''

بقیہ: اسلام، قرآن اور عظمت محمد عربی ﷺ

بادشاہ بھی تھے اور پوپ کی طرح مذہبی رہنما بھی۔ مگر پوپ کی مانند ریاکار اور سیزر کی طرح فوجی دستے نہ رکھتے تھے“۔

ان اقتباسات سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی شخصیت غیر مسلم مفکرین کی نظر میں ہمیشہ باعث دلچسپی رہی ہے۔ انہوں نے آپؐ کی شخصیت کا ہمہ جہتی گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ مثلاً آپؐ کے کردار و عمل، بطور سربراہِ حکومت، سپہ سالار، دینی رہنما، سماجی مصلح۔ اور اس ضمن میں ان کے اقوال ہمیں ملتے ہیں، مگر مسلمانوں کی اکثریت آپ ﷺ کی تعلیمات سے ناآشنا اور بے بہرہ ہے۔ مذہبی طبقات نے محض اپنے اپنے مفادات و نظریات کو سچ ثابت کرنے کے لئے آپ ﷺ کی تعلیمات کو اپنے اپنے رنگ میں پیش کیا جس کے نتیجے میں مسلم اُمہ تقسیم در تقسیم کے عمل سے دوچار ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارا یہ زوال اگر عروج میں بدل سکتا ہے تو آج بھی قرآن اور سیرتِ مبارکہ پر عمل سے ہی بدل سکتا ہے، کیونکہ یہی ایک راہ کامیابی و عزت کی ہے۔ آپؐ ہی کا ذکر بلند کیا گیا ہے۔ آپؐ سے تعلق ہی دُنیوی واُخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔ اس کے علاوہ تمام راہیں ذلت و رسوائی کی حامل اور منزل سے دُور بہت دُور لے جانے والی ہیں۔

مسلمان کا طرزِ حیات (۴۲)

علامہ ابوبکر جابر الجزائری کی شہرۂ آفاق کتاب

"مِنھاجُ المسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب العبادات

آٹھواں باب

نماز

۴) نماز کے فرض، سنتیں، مکروہات، مبطلات اور نماز کے دوران جائز کام

ا) فرائض نماز:

(ا) قیام: جو شخص کھڑا ہو سکتا ہے اس کے لئے فرض نماز کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے۔ ایسا شخص فرض نماز بیٹھ کر ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِينَ﴾ (البقرة)

''اللہ کے لئے عاجزی کے ساتھ قیام کرو۔''

جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

((صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰی جَنْبٍ))[۱]

''نماز کھڑے ہو کر پڑھو، اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل (لیٹ کر نماز پڑھ لو)''۔

---

۱) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب اذا لم یطق قاعدا صلی علی جنب۔

(۵) رکوع۔

(٦) رکوع سے اٹھ کر کھڑا ہونا (قومہ): جس شخص نے نماز اچھی طرح نہیں پڑھی تھی اسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

((ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَعْدِلَ قَائِمًا))[1]

''پھر رکوع کر حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کر لے' پھر سر اٹھا حتیٰ کہ تو برابر کھڑا ہو جائے۔''

(۷) سجدہ ۔

(۸) سجدہ سے اٹھنا۔ مسیئ الصلاۃ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا:

((ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا))

''پھر سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کر لے' پھر سر اٹھا حتیٰ کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے''۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا ......﴾ (الحج:۷۷)

''اے مؤمنو! رکوع کرو اور سجدہ کرو۔''

(۹) رکوع' سجدہ' قیام اور جلسہ میں اطمینان : نماز میں غلطی کرنے والے صحابی کو آنحضرت ﷺ نے نماز کا صحیح طریقہ بتاتے ہوئے بار بار ارشاد فرمایا: ''حَتّٰى تَطْمَئِنَّ''۔ رکوع' قومہ' سجدہ اور جلسہ میں حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: ''حتیٰ کہ تو اطمینان سے رکوع کر لے' حتیٰ کہ تو اطمینان سے کھڑا ہو جائے' حتیٰ کہ تو اطمینان سے سجدہ کر لے' حتیٰ کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے''۔[2]

---

۱) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب وجوب القراءۃ للامام والمأموم۔

۲) یہ حدیث حضرت رافع بن خلاد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تو نماز کے لئے کھڑا ہو تو کامل سنوار کر وضو کر' پھر قبلہ کی طرف مُنہ کر کے تکبیر کہہ' پھر تجھے جو قرآن یاد ہو اُس سے جو آسانی سے پڑھ سکے پڑھ لے' پھر رکوع کر حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کر لے' پھر سر اٹھا حتیٰ کہ تو برابر کھڑا ہو جائے' پھر سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کر لے' پھر سر اٹھا حتیٰ کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے' پھر سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کر لے' پھر اپنی پوری نماز میں اسی طرح کر''۔ صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ۔ وصحیح البخاری' کتاب الاذان' باب وجوب القراءۃ للامام والمأموم۔

(قدرے آواز سے پڑھ کر) سنا دیتے تھے"۔[1]

(۲) تسمیع وتحمید: امام اور منفرد کے لئے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ اور رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ اور مقتدی کے لئے رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہنا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے (سر اٹھاتے ہوئے) کمر سیدھی کرتے تو فرماتے: سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ (جس نے اللہ کی تعریف کی، اللہ نے اس کی بات سن لی)۔ پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو فرماتے: رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (اے ہمارے مالک! تعریف تیری ہی ہے)[2] اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جب امام سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے تو تم کہو: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (اے اللہ! اے ہمارے رب! اور تعریف تیرے ہی لئے ہے)[3]

(۳) تسبیحات: رکوع میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ (میرے عظمت والے ربّ کی پاکیزگی ہے) اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی (میرے بلندیوں والے ربّ کی پاکیزگی ہے) کہنا۔ جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّکَ الْعَظِیْمِ (اپنے عظمت والے ربّ کے نام کے ساتھ پاکیزگی بیان کیجئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِجْعَلُوْھَا فِیْ رُکُوْعِکُمْ)) "یہ کام رکوع میں کیا کرو"۔ اور جب یہ نازل ہوئی: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی (اپنے بلندیوں والے ربّ کے نام کی تسبیح کیجئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اِجْعَلُوْھَا فِیْ سُجُوْدِکُمْ)) "یہ کام سجدہ میں کیا کرو"۔[4]

(۴) تکبیراتِ انتقال: قومہ سے سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے اور دوسرے سجدہ سے اٹھ کر قیام کی طرف جاتے ہوئے اللہ اکبر کہنا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا گیا ہے۔

---

۱) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب القراءۃ فی الظھر۔ وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب القراءۃ فی الظھر والعصر۔

۲) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب التکبیر اذا قام من السجود۔ وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب اثبات التکبیر فی کل خفض ورفع فی الصلاۃ الارفعۃ من الرکوع فیقول فیه سمع الله لمن حمده۔

۳) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب التشھد فی الصلاۃ۔

۴) مسند احمد۔ وسنن ابی داوٗد، کتاب الصلاۃ، تفریع ابواب الرکوع والسجود، باب ما یقول الرجل فی رکوعه وسجوده۔ وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاۃ والسنة فیھا، باب التسبیح فی الرکوع والسجود۔

''اے اللہ! محمد (ﷺ) پر اور محمد (ﷺ) کی آل (اولاد و اتباع) پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔ اور محمد (ﷺ) پر اور محمد (ﷺ) کی آل پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم (علیہ السلام) پر اور ابراہیم (علیہ السلام) کی آل پر برکت نازل فرمائی۔ یقیناً تو قابل حمد اور بزرگیوں والا ہے۔''

غیر مؤکدہ سنتیں:

(۱) دعائے استفتاح:

سُبۡحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمۡدِکَ وَتَبَارَکَ اسۡمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا غَیۡرُکَ(۱)

''اے اللہ! میں تیری تعریف کے ساتھ تیری تسبیح کرتا ہوں، اور تیرا نام بابرکت ہے اور تیری شان بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔''(۲)

(۲) تعوّذ اور بسملہ: پہلی رکعت میں تعوذ اور باقی ہر رکعت میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ﴿۹۸﴾﴾ (النحل)

''جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ میں آجایئے۔''

(۳) رفع الیدین، یعنی تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے، رکوع میں جاتے ہوئے، رکوع سے اٹھتے وقت اور دو رکعتوں سے اٹھتے وقت کندھوں تک ہاتھ اٹھانا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''نبی ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو وہ دونوں ہاتھ اٹھاتے حتیٰ

---

۱) صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ۔

۲) جناب رسول اللہ ﷺ یہ دعا بھی پڑھتے تھے: اَللّٰھُمَّ بَاعِدۡ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدۡتَ بَیۡنَ الۡمَشۡرِقِ وَالۡمَغۡرِبِ، اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیۡ مِنَ الۡخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوۡبُ الۡاَبۡیَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰھُمَّ اغۡسِلۡ خَطَایَایَ بِالۡمَاءِ وَالثَّلۡجِ وَالۡبَرَدِ (اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنا فاصلہ کر دے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ڈال دی ہے۔ اے اللہ! مجھے خطاؤں سے اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اے اللہ! میری خطاؤں کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال''۔ صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب ما یقرء بعد التکبیر۔

(۷) نمازِ فجر اور نمازِ وتر[۱] کی آخری رکعت میں قراءت کے بعد یا رکوع کے بعد دعائے قنوت پڑھنا۔[۲] احادیث میں قنوت کے مختلف الفاظ وارد ہیں۔ جن میں سے ایک دعا مندرجہ ذیل ہے:

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ وَاصْرِفْ عَنِّیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ، فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ، اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَبِکَ مِنْکَ، لاَ اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ[۳]

''اے اللہ! جنہیں تو نے ہدایت بخشی ہے مجھے بھی ان میں (شامل کر کے) ہدایت بخش دے، اور جنہیں تو نے عافیت بخشی ہے مجھے بھی ان میں (شامل کر کے) عافیت بخش دے، اور جنہیں تو نے دوست بنایا ہے مجھے بھی ان میں (شامل کر کے) دوست بنا لے۔ اور جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے اس میں میرے لئے برکت ڈال دے اور جو کچھ تو نے فیصلہ کیا ہے اس کی برائی سے مجھے محفوظ فرما اور مجھ سے وہ برائی دور ہٹا دے، کیونکہ تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے (فیصلے کے) خلاف فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بے شک جسے تو دوست بنا لے وہ ذلیل نہیں ہوتا، اور جس کا تو دشمن ہو جائے وہ عزت نہیں پاتا۔ اے ہمارے ربّ! تو برکتوں والا اور بلندیوں والا ہے۔ اے اللہ! میں تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی پناہ میں آتا ہوں، تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ چاہتا ہوں، اور تجھ سے تیری ہی پناہ لینا چاہتا ہوں۔ میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا (پوری طرح تعریف کرنا میرے بس سے باہر ہے)۔ تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی تعریف

---

۱) فجر کی نماز میں قنوت کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے اور وتر میں قنوت پڑھنے کا ذکر جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی وغیرہ میں موجود ہے۔

۲) جامع الترمذی، ابواب الوتر، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر۔ وسنن النسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النہار، باب الدعاء فی الوتر۔

۳) جامع ترمذی کی حدیث میں "تبارکت ربنا وتعالیت" تک ہے۔ نسائی میں یہ پوری دعا موجود ہے، البتہ ان دونوں میں "وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ" کے الفاظ نہیں۔

’’سنو! مجھے رکوع اور سجدے میں قرآن مجید کی تلاوت سے منع کیا گیا ہے۔ تو رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں خوب دعا کرو' وہ قبولیت کی مستحق ہوتی ہے۔‘‘

(۱۱) آخری قعدہ میں درود شریف کے بعد مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ دعا کرنا:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَمِنۡ فِتۡنَۃِ الۡمَحۡیَا وَالۡمَمَاتِ وَمِنۡ شَرِّ فِتۡنَۃِ الۡمَسِیۡحِ الدَّجَّالِ))

’’اے اللہ! میں جہنم کے عذاب سے' قبر کے عذاب سے' زندگی اور موت کی آزمائش سے اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں‘‘۔

اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

’’جب کوئی شخص آخری تشہد سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہئے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے (اور کہے) : اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ عَذَابِ جَھَنَّمَ وَمِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ وَمِنۡ فِتۡنَۃِ الۡمَحۡیَا وَالۡمَمَاتِ وَمِنۡ شَرِّ فِتۡنَۃِ الۡمَسِیۡحِ الدَّجَّالِ‘‘[۱]

(۱۲) دائیں طرف سلام پھیرنا۔

(۱۳) دوسرا سلام بائیں طرف پھیرنا۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرا کرتے تھے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے رخساروں کی سفیدی نظر آتی۔[۲]

(۱۴) سلام کے بعد اللہ کا ذکر کرنا اور مسنون دعائیں پڑھنا۔ اس سلسلے میں بہت سی احادیث وارد ہیں' جن میں سے کچھ احادیث یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ’’رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ (میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں) کہتے۔ پھر فرماتے: اَللّٰھُمَّ اَنۡتَ السَّلَامُ وَمِنۡکَ السَّلَامُ' تَبَارَکۡتَ یَاذَا الۡجَلَالِ وَالۡاِکۡرَامِ[۳] ’’اے اللہ! تو سلامتی والا ہے' سلامتی تجھی سے ہے' تو برکتوں والا ہے اے جلال اور بزرگی والے!‘‘

(۲) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ نبی ﷺ نے ایک دن اُن کا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا:

---

۱) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب ما یستعاذ منه فی الصلاة۔

۲) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السلام للتحلیل من الصلاة و کیفیته (بالمعنیٰ)

۳) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب استحباب الذکر بعد الصلاة وصفته۔

''جو شخص ہر نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ کہے' ۳۳ بار الحمد للہ کہے اور ۳۳ بار اللہ اکبر کہے' یہ ننانوے (۹۹) ہو گئے' اور سو کا عدد پورا کرنے کے لئے کہے: لاَ اِلٰـہَ اِلاَّ اللّٰہُ وَحْدَہٗ لا شَرِیْکَ لَـہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْ ءٍ قَدِیْرٌ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' حکومت اسی کی ہے اور تعریف بھی اسی کی ہے' اور وہ ہر چیز پر قادر ہے) اس کے گناہ بخشے جائیں گے چاہے سمندر کی جھاگ کی طرح ہوں''۔ (۱)

(۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْبُخْلِ' وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْجُبْنِ' وَاَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُرَدَّ اِلٰی اَرْذَلِ الْعُمُرِ' وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الدُّنْیَا یَعْنِی فِتْنَۃَ الدَّجَّالِ' وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ))(۲)

''اے اللہ! میں بخل سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اور بزدلی سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ سب سے نکمی عمر کی طرف لوٹا دیا جاؤں' اور میں دنیا کے فتنہ یعنی فتنۂ دجال سے تیری پناہ چاہتا ہوں' اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں''۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ دعا اپنے بچوں کو سکھایا کرتے تھے۔

ج) نماز میں مکروہ افعال

نماز میں مندرجہ ذیل اعمال سے پرہیز کرنا چاہئے۔ یہ مکروہ ہیں:

(۱) سر یا آنکھ گھما کر ادھر ادھر دیکھنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ھُوَ اخْتِلاَسٌ یَخْتَلِسُہُ الشَّیْطَانُ مِنْ صَلاَۃِ الْعَبْدِ)) (۳)

''یہ تو ایک جھپٹ ہے' شیطان بندے کی نماز جھپٹ مار کر چھین لیتا ہے۔''

(۲) آسمان کی طرف نظر اٹھانا۔ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَرْفَعُوْنَ اَبْصَارَھُمْ اِلَی السَّمَآءِ فِیْ صَلاَتِھِمْ ...... لَیَنْتَھُنَّ

۱) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ۔

۲) صحیح البخاری' کتاب الدعوات' باب التعوذ من عذاب القبر۔

۳) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب الالتفات فی الصلاۃ۔

تُوَاجِهُهُ))[١]

''تم میں سے کوئی جب نماز پڑھنے کھڑا ہو تو کنکریوں پر ہاتھ نہ پھیرے' کیونکہ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔''

اور فرمایا:

((اِنْ کُنْتَ فَاعِلًا فَمَرَّةً وَاحِدَةً))[٢]

''اگر تجھے ایسا کرنا ہی ہے تو ایک بار کر لے۔''

(٧) غیر ضروری حرکات: اس میں ہر وہ حرکت شامل ہے جس سے انسان نماز کی طرف سے غافل ہو جائے اور نماز میں خشوع قائم نہ رہے۔ مثلاً داڑھی اور کپڑوں کو بلاوجہ چھیڑتے رہنا یا چٹائی اور دیواروں کے نقش و نگار دیکھنا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

((اُسْکُنُوْا فِی الصَّلَاةِ))[٣]

''نماز میں سکون اختیار کرو۔''

(٨) رکوع اور سجدہ میں تلاوت کرنا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((نُهِیْتُ اَنْ اَقْرَءَ الْقُرْآنَ رَاکِعًا اَوْ سَاجِدًا))[٤]

''مجھے رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔''

(٩) پیشاب یا پاخانہ کی حاجت ہوتے ہوئے نماز پڑھنا۔

(١٠) تیار کھانے کی موجودگی میں نماز پڑھنا۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لَا صَلَاةَ بِحُضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ یُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ))[٥]

''کھانا حاضر ہونے کے وقت نماز نہیں[٦]۔ اور نہ اس وقت جب دو ناپاک چیزیں

---

١) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاة' باب فی مسح الحصیٰ فی الصلاة۔ وجامع الترمذی' کتاب الصلاة' باب ما جاء فی کراهیة مسح الحصی فی الصلاة۔ اس کی سند صحیح ہے۔

٢) سنن ابن ماجه' کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها۔

٣) صحیح مسلم' کتاب الصلاة ' باب الامر بالسکون فی الصلاة والنهی عن الاشارة بالید ورفعها عند السلام۔

٤) صحیح مسلم' کتاب الصلاة' باب النهی عن قراء ة القرآن فی الرکوع والسجود۔

٥) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب کراهة الصلاة بحضرة الطعام الذی یرید اکله فی الحال و کراهة الصلاة مع مدافعة الاخبثین۔

٦) یہ حکم اس وقت ہے جب بھوک لگی ہوئی ہو۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ)) (۱)

''اس نماز میں لوگوں کی باتوں میں سے کچھ بھی درست نہیں۔''

اگر نماز کی اصلاح اور درستی کے لئے کلام کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ مثلاً امام سلام پھیرنے کے بعد پوچھے کہ کیا نماز پوری پڑھی گئی ہے؟ اور نمازی بتائیں کہ کوئی رکعت رہ گئی ہے' پھر چھوٹی ہوئی رکعت یا رکعتیں پڑھ لی جائیں' یا امام قراءت کے دوران غلطی کر جائے اور مقتدی اسے لقمہ دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بھول کر چار کے بجائے دو رکعت پر سلام پھیر دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی کلام کیا اور ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے بھی بات کی' لیکن ان دونوں کی نماز باطل نہیں ہوئی۔ حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے مخاطب ہو کر عرض کیا: ''کیا آپؐ بھول گئے ہیں یا نماز کم کر دی گئی ہے؟'' آنحضرت ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''نہ میں بھولا ہوں نہ نماز کم کی گئی ہے''۔ (۲)

(۴) ہنسی: اگر ہنسی قہقہہ کی صورت میں ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے' صرف مسکراہٹ سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ہنسنے سے نماز ٹوٹنے پر علماء کا اتفاق ہے۔ بلکہ بعض علماء تو قہقہہ سے وضو بھی ٹوٹ جانے کے قائل ہیں اور آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث بھی مروی ہے کہ ''دانت ظاہر ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی لیکن قہقہہ اسے توڑ دیتا ہے''۔ (۳)

(۵) کثیر حرکت: کیونکہ یہ عبادت کے منافی ہے۔ اس صورت میں دل اور اعضاء نماز کو چھوڑ کر دوسری طرف مشغول ہو جاتے ہیں۔ البتہ معمولی حرکت سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ مثلاً پگڑی صحیح کر لینا۔ صف میں خالی جگہ پر کرنے کے لئے ایک قدم آگے بڑھ جانا' کسی چیز کی طرف ایک بار ہاتھ بڑھانا۔ اس قسم کے عمل سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے اپنی نواسی اُمامہ رضی اللہ عنہا کو (جو حضور ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینب کی بیٹی تھیں) اٹھا بھی لیا اور بٹھا

---

۱) صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ما کان من اباحتہ

۲) صحیح البخاری' کتاب السھو' باب یکبر فی سجدتی السھو (یہاں مذکور الفاظ اس روایت کے مطابق ہیں) وصحیح مسلم' کتاب المساجد' باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہ (بالمعنی)

۳) معجم الصغیر للطبرانی' ح ۹۹۹۔

((مَنْ نَابَهٗ شَیْ ءٌ فِیْ صَلَاتِہٖ فَلْیَقُلْ سُبْحَانَ اللّٰہِ)) (۱)

''جسے نماز میں کوئی معاملہ پیش آ جائے تو وہ سبحان اللہ کہہ دے۔''

(۶) سامنے سے گزرنے والے کو روکنا۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی شَیْءٍ یَسْتُرُہٗ مِنَ النَّاسِ' فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ یَّجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْہِ فَلْیَدْفَعْہُ فَاِنْ اَبٰی فَلْیُقَاتِلْہُ فَاِنَّمَا ھُوَ شَیْطَانٌ)) (۲)

''جب تم میں سے کوئی سُترہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہو' جو اسے (لوگوں کی دخل اندازی) سے بچاتا ہے' تو جب کوئی اس کے آگے سے گزرنا چاہے تو اسے روکنا چاہئے۔ اگر وہ (رکنے سے) انکار کرے تو اس سے لڑے (یعنی سختی سے روکے)' وہ شیطان ہے۔''

(۷) اگر نماز میں سانپ یا بچھو نمازی کی طرف آئے تو نمازی اسے مار ڈالے۔ ارشادِ نبوی ہے:

((اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَیْنِ فِی الصَّلَاۃِ : اَلْحَیَّۃَ وَالْعَقْرَبَ))(۳)

''نماز میں دو سیاہ جانوروں ____ یعنی سانپ اور بچھو ____ کو قتل کر دو۔''

(۸) ہاتھ سے جسم کو کھجانا۔ کیونکہ یہ معمولی حرکت ہے جو نماز کے دوران معاف ہے۔

(۹) اگر کوئی نمازی کو سلام کہے تو ہاتھ کے اشارے سے جواب دے سکتا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ عمل کیا ہے۔(۴)

۵) سجدۂ سہو

جو شخص بھول کر نماز کی ایک رکعت زیادہ پڑھ لے یا ایک سجدہ وغیرہ زیادہ کر لے اسے غلطی کی تلافی کے لئے نماز مکمل ہونے کے بعد دو سجدے کرنا ضروری ہیں۔ ان کے بعد سلام

---

۱) صحیح البخاری' کتاب العمل فی الصلاۃ' باب رفع الیدین فی الصلاۃ لامر ینزل بہ۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم اذا تاخر الامام۔

۲) صحیح البخاری' کتاب الصلاۃ' باب یرد المصلی من مر بین یدیہ۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب سترۃ المصلی والندب الی الصلاۃ الی السترۃ...... الخ

۳) جامع الترمذی' ابواب الصلاۃ' باب ما جاء فی قتل الاسودین فی الصلاۃ۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب العمل فی الصلاۃ (واللفظ لہ)

۴) جامع الترمذی' ابواب الصلاۃ' باب ما جاء فی الاشارۃ فی الصلاۃ۔

نماز سے مربوط ہوتی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز میں بھول گئے تھے اور آپ ﷺ نے سجدے کئے تھے تو آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام ؓ نے بھی سجدے کئے تھے۔ (۱)

---

۱) امام ترمذی وہ حدیث بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ دو رکعت کے بعد ''التحیات'' پڑھے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ''جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے دو سجدے کئے، پھر سلام پھیرا۔ اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ دو سجدے کئے۔ آپ ﷺ جو بیٹھنا بھول گئے تھے اس کی جگہ سجدے کئے''۔ (ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی الامام ینهض فی الرکعتین ناسیا)۔ اس روایت میں اگرچہ علت موجود ہے تاہم تمام علماء کا اس طریق پر عمل ہے۔ اور پھر حضرت محمد ﷺ کا صحیح سند سے یہ ارشاد موجود ہے: ''اپنے امام سے اختلاف نہ کرو''۔

کتاب نما

شیعہ سنی مفاہمت کے پردے میں

دو شعری مجموعوں پر تبصرہ

تبصرہ: سید قاسم محمود

''میثاق'' کی اشاعت مارچ ۲۰۰۵ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک پرانی تحریر ''شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت و ضرورت'' پر ایک نیا تبصرہ محترمہ بلقیس سبزواری کا تحریر کردہ پڑھا' تو اُن کی تحریر کی صلابت و پختگی پر خوشگوار حیرت کے ساتھ ساتھ' یہ جان کر خوشی بھی ہوئی کہ محترمہ علامہ سید قمرالزماں سبزواری کی صاحب زادی ہیں۔ خوش قسمتی سے راقم کو بھی علامہ صاحب کی نیاز مندی کا تھوڑا بہت شرف حاصل رہا ہے۔ وہ یوں کہ قیامِ پاکستان کے بعد' ابتدائی پانچ سات برس گوناگوں وجوہ سے دیال سنگھ کالج میں میرا آنا جانا رہا۔ وہاں تین بڑے پروفیسروں کا جوقِران السعدین ہو گیا تھا' اُن کی علمی و ادبی نشستوں میں شاگرد پیشگی کی سعادت بھی مجھے حاصل رہی۔ شمس العلماء علامہ تاجور نجیب آبادی اردو کے فاضل نقاد' محقق' مدیر ''شاہکار'' اور ادبی منظر پر چھائی ہوئی بڑی شخصیت۔ استاذ الاساتذہ سید عابد علی عابد' مشرق و مغرب کے کلاسیکی ادب کے متبحر عالم' شاعر بھی' شاعر گر بھی' فارسی کے استاذ' اردو' فارسی' عربی کے ہزاروں اشعار ازبر' عام بول چال میں بھی شعر کے موتی ہونٹوں سے جھڑتے رہتے۔ اور علامہ حکیم مولوی سید قمرالزمان سبزواری' قدیم و جدید فلسفوں کے بادشاہ' دھیمی دھیمی گفتگو' دھیرے دھیرے چال' متانت و شرافت کے پیکر۔ تینوں اچکن کے ساتھ چوڑی موری کا پاجامہ پہنتے تھے۔ تینوں اسلام اور پاکستان کے شیدائی۔ بورڈ روم میں یا دیال سنگھ پبلک لائبریری میں یا کالج کے دفتر میں' تینوں اکٹھے بیٹھتے۔ گفتگو کا موضوع سیاست کبھی نہ ہوتا۔ کوئی نہ کوئی علمی نکتہ طرازی یا منطق کی گرہ کشائی یا شعر اور سخن وری کی لطافت یا کسی تازہ کتاب کا تذکرہ یا کسی مبحث پر استفسار۔ ان کی آپس کی گفتگوؤں کا اثر شاگردوں پر نہ پڑے یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ راقم ان کا باقاعدہ شاگرد تو نہیں تھا' لیکن علمِ جویائی اور ادب آموزی کا رشتہ شاید باقاعدہ شاگردگی سے زیادہ روحانی اور پائیدار ہوتا ہے۔

یہی رائے رکھتی ہیں اور پروفیسر سحر انصاری نے مستعمل استعاروں اور علامتوں کو ذاتی بنا لینے کی جو بات کہی' اُس کی تصدیق میں اپنے چند اشعار بطور مثال پیش کرتی ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

''مجھے اپنی زندگی سے کبھی اتنی مایوسی ہوئی کہ کیفیت کا اندازہ لگانا مشکل ہو گیا' جس کا اظہار میں نے یوں کیا ہے:

ہر روز بدل جاتا ہے ساحل ترا انداز
دریا کہیں بن جائے نہ صحرا' مرے آگے

اور کبھی زمانے کے ترقی یافتہ معاشرے کے ماحول سے شکایت ہوئی:

اذہان و آگہی کا زمانہ تو تھا قمر
انسانیت کی روح میں کیوں دلکشی نہ تھی!

اور ایک مقام پر ظلم کے سامنے اُمید کا دامن تھاما:

مایوس ہو نہ ظلم سے' دنیائے زیست میں
انسان کے وجود میں رنگِ وفا کو دیکھ

خواہش تھی کہ ریاضت کا صلہ ملے' لیکن رفتارِ زمانہ دیکھ کر آہستگی کا احساس ہوا:

مل جائے گا تمازتِ احساس کا صلہ
عکسِ جہاں کو لمحوں کی رفتار بن کے دیکھ

اکثر دوستوں کی عنایت خوشی اور انبساط کا باعث بن گئی:

یہ کس نے بھر دیا داماں خوشی کے لمحوں سے
کہ اپنی زیست کو ابر بہار سمجھے ہیں

اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ زندہ رہنے کے باوجود زندگی کا احساس نہیں رہا اور اپنا وجود بے معنی نظر آنے لگا:

یہ کائنات ہے جس میں فقط وجود رہا
ابھی حیات کا ہونا شمار باقی ہے

اور کبھی تنہائی پریشانی میں تبدیل ہو جائے تو دردِ دل بڑھ جاتا ہے:

دل کے مدھم نقوش مٹتے ہیں
ساز ابھرے گا' کیا صدا لے کر

اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُمید مایوسی میں تبدیل ہو جاتی ہے:

ہم نے کسی کو اپنا نہ پایا کبھی قمر
نوکِ قلم میں جھک گئی تحریر کی صدا

کیونکہ مصنفہ نے اس مجموعے کے ذریعے کربلا کے حقیقی مفہوم کو از سرنو اجاگر کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے‘‘۔

نمونۂ کلام کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں:

صحرائے خوں سے سجدۂ آخر کی ہے صدا
فتح مبیں سے کربلا گونجے گی حشر تک

......

تشنگی کا آج بھی مقتل سے اٹھتا ہے دھواں
کربلا کا ذرّہ ذرّہ اب بھی شعلہ بار ہے

......

کربلا کی ریت پر کیسی کہانی لکھ گئے
آج بھی الفاظ کی حدت سے تپتا ہے جہاں

......

تین دن کی پیاس کو موجوں نے دیکھا ہے قمؔر
کند خنجر کی گواہی دے گئی حق کا بیاں

......

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (18)

بنگلہ دیش (3)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں بنگال کی زمین کی زرخیزی' پیداوار کی افراط اور چیزوں کی فراوانی اور ارزانی اتنی تھی کہ اسے باغِ جنت سے تشبیہہ دی جاتی تھی۔ ہندوؤں کے زمانے میں جو کوڑی رائج تھی' مسلمانوں کے زمانے میں چاندی اور سونے کے سکوں میں بدلنے لگی۔ ابوالفضل کے بقول ڈھاکا اور میمن سنگھ کے علاقے میں لوہے کی اور ہگلی اور بردوان کے علاقے میں ہیرے جواہر کی کان تھی۔ بیرونی سیاحوں نے لوہے' جواہرات' کاغذ اور قالین کے کارخانوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ڈھاکے کی ململ کا دنیا بھر میں شہرہ تھا۔ شمالی اور مغربی بنگال میں ریشمی کپڑے بنے جاتے تھے۔ سولھویں صدی عیسوی کے اطالوی تاجر ورتھیما نے لکھا ہے کہ یہاں سفید چینی بنائی جاتی تھی۔ نمک بنانا عام پیشہ تھا۔ چھوٹے بڑے جہاز مقامی طور پر تیار کئے جاتے تھے۔ ماہوان' باربروسہ اور ورتھیما وغیرہ بیرونی سیاحوں اور تاجروں نے چاٹگاؤں' ساتگاؤں اور سنارگاؤں کی بندرگاہوں کی تعریف کی ہے۔ تیرہویں صدی میں مارکوپولو نے یہاں کی برآمدی پیداوار بالخصوص کپڑے کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن بطوطہ 1345ء میں بنگال آیا۔ اس نے لکھا ہے کہ ایک چھوٹا کنبہ سال بھر کے لیے اپنے کھانے پینے کا سامان سات روپے میں خرید سکتا تھا۔ چینی سیاح ماہوان (1406ء) کے کہنے کے مطابق یہاں کوڑی اور چاندی کے سکے رائج تھے اور ترکی حمام موجود تھے۔ رالف فچ (1586ء) اور برنیر نے لکھا ہے کہ سوتی اور ریشمی کپڑے' چینی' مرچ' چاول' مکھن' نمک اور پھل برآمد کئے جاتے تھے۔ بیرونی تجارت کے فروغ سے ملک کو بڑا فائدہ ہوا۔ برآمدی چیزوں کے بدلے میں سونا چاندی اور ہیرے جواہرات درآمد ہوئے' جس سے ملک کی معاشرتی اور معاشی ترقی ہوئی۔ عوام کو ارزانی کے باعث اچھا کپڑا اور اچھا کھانا میسر ہونے لگا۔ ملک کی یہ خوشحالی ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی اجارہ داری کی وجہ سے ختم ہوگئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا عہد

میر جعفر کی موت کے بعد نوابی ختم ہوگئی۔ کلایو نے کمپنی کے لیے بنگال' بہار اور اڑیسہ کی دیوانی

ملازمتیں حاصل کرنے اور مسلمانوں سے سبقت لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔

یوں بھی پلاسی کی جنگ میں ہندو سیٹھوں اور انگریزوں کی ملی بھگت نے اسلامی حکومت کا خاتمہ کیا تھا' لہٰذا انگریزی حکومت کے قیام کے بعد انگریزوں نے ہندوؤں کی خاص طور پر سرپرستی کی۔ بندوبست استمراری نے ہندو بنیوں اور ساہوکاروں کو زمینوں کا مالک بنا دیا۔ مسلمان کاشت کاروں کو روٹی کے لالے پڑ گئے۔ چنانچہ تیتو میر نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور سخت لڑائی کے بعد 1831ء میں شہید ہو گئے۔ بنگال میں زمیندار کے خلاف کاشت کاروں کی یہ پہلی بغاوت تھی۔ دوسری بغاوت فرید پور کے حاجی شریعت اللہ کی ''فرائضی تحریک'' کی شکل میں شروع ہوئی' جس میں بنگال کے کاشت کار خاصی تعداد میں شریک تھے۔ ان کے بیٹے دُودُو میاں نے یہ اعلان کر کے کہ ''زمین اللہ کی ہے'' مال گزاری دینے سے انکار کر دیا' لیکن یہ تحریک بھی بڑی سختی سے کچل دی گئی۔ بنگالی مسلمانوں نے سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد میں دل کھول کر حصہ لیا اور نہ صرف روپے پیسے سے مدد کی' بلکہ صوبہ سرحد کے قبائلی علاقوں میں پہنچ کر انگریزوں کے خلاف جہاد میں شرکت بھی کی۔ تحریک جہاد کے دو ممتاز سید ولایت علی عظیم آبادی اور سید عنایت علی عظیم آبادی اگرچہ بہار سے تعلق رکھتے تھے' لیکن اُن کی طاقت کا اصل سرچشمہ بنگال کے دیہات تھے۔

فرائضی تحریک دراصل تحریک جہاد ہی کی شاخ تھی۔ ان تحریکوں کا زور سیاسی آزادی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے معاشرتی حالات کی اصلاح پر بھی تھا۔ ان کے رہنماؤں کا خیال تھا کہ ہماری خرابیوں کی جڑ اور ہمارے زوال کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم اسلام کی حقیقی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں' اس لیے ہمیں اپنی اخلاقی اصلاح کرنی چاہیے اور سچے مسلمان بننا چاہیے۔

1857ء کی جنگ آزادی کا اثر دکن اور بنگال پر زیادہ نہیں ہوا۔ صرف ڈھاکا میں بنگالی سپاہیوں کی ایک بغاوت ہوئی' لیکن وہ توپ سے اڑا دیئے گئے اور بنگال رجمنٹ توڑ دی گئی۔

ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ رپن نے لوکل اور میونسپل حکومت میں ہندوستانیوں کو زیادہ حصہ دیا۔ انگریزی تعلیم اور انگریزی طرزِ حکومت کی بدولت معاشرے میں متوسط طبقہ اور قومیت کا شعور پیدا ہوا۔ قومیت کا یہ تصور اصلاً مغربی تھا۔ اسلامی تصورِ قومیت میں مذہب کو فوقیت دی گئی ہے اور ملک اور وطن اور زبان کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا گیا' لیکن قومیت کے مغربی تصور میں ملک اور زبان کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کی رو سے پوری انسانیت متعدد اور متخالف و متصادم ٹکڑوں میں بٹ کر رہ جاتی ہے' لیکن اسلامی قومیت دنیا کے سب مسلمانوں کو متحد اور یکجا رکھتی ہے۔ اسی مغربی تصور نے 1885ء میں ''انڈین نیشنل کانگریس'' کو جنم دیا۔ چونکہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں بنگالی ہندو انگریزی تعلیم میں آگے تھے' لہٰذا کانگریس کے ابتدائی لیڈروں میں بھی بنگالیوں کی اکثریت رہی۔ اس زمانے میں سرسید کی علی گڑھ تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو

1920ء کے بعد

1920ء تک ہندوستان کے مسلمان خاصے بیدار ہو چکے تھے۔ 1920ء میں گاندھی نے تحریک عدم تعاون کا آغاز کیا۔ یہ تحریک اگرچہ ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی' لیکن بہت سے مسلمانوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ ''مونٹیگو چمسفورڈ اصلاحات'' کے اعلان پر یہ تحریک ختم کردی گئی۔ 1923ء میں بنگالی رہنما سی آر داس نے ''سوراجیہ پارٹی'' بنائی اور مسلم لیڈروں مثلاً اے کے فضل الحق اور سہروردی نے اس شرط پر اُن کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا کہ نمائندگی میں ہر جگہ مساوات کا خیال رکھا جائے گا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کے مقابلے میں زیادہ ملازمتیں دی جائیں گی' حتیٰ کہ دونوں کی تعداد برابر ہو جائے۔ 1925ء میں سی آر داس کی وفات کے بعد یہ ہندو مسلم اتحاد ختم ہو گیا۔ اور دونوں قوموں کی تمدنی ناموافقت اور ہندو لیڈروں کی کاشت کاروں کی طرف سے بے رُخی کے باعث باہمی کشیدگی بڑھتی گئی' یہاں تک کہ 1926ء میں کلکتے میں زبردست ہندو مسلم فساد ہوا۔

1927ء' نومبر میں ''سائمن کمیشن'' آئین میں تبدیلیوں پر غور کرنے کے لیے پہنچا' جس کا کانگریس نے بائیکاٹ کیا۔ اسی سال محمد علی جناح نے مسلمانوں کے مطالبات ''چودہ نکات'' کی صورت میں پیش کیے' لیکن انہیں گاندھی اور موتی لال نہرو نے نامنظور کر دیا۔

1929ء' مارچ میں ''نہرو رپورٹ'' شائع ہوئی جسے مسلمانوں نے نامنظور کر دیا' کیونکہ اس میں جداگانہ انتخابات کو نظر انداز کیا گیا تھا۔

1930ء میں مسلمانوں کا اعتماد حاصل کیے بغیر گاندھی نے سول نافرمانی کی تحریک چلائی۔ دہشت پسندوں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور بنگالی لیڈر سوبھاش چندر بوس نے کلکتہ میں دہشت پسندوں کی ایک نئی جماعت بنا لی۔ 1931ء اور 1932ء میں گول میز کانفرنس ہوئی۔ 1933ء میں ''قرطاسِ ابیض'' شائع ہوا اور 1934ء میں ''جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی'' کی رپورٹ اور بالآخر 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رو سے آئین ساز اسمبلیوں کے لیے نئے انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔

ڈھاکہ کے نواب نے بنگال یونائیٹڈ مسلم پارٹی بنائی اور کلکتہ کے مسلمان تاجروں نے ایم اے ایچ اصفہانی کی قیادت میں 1936ء کے آخر میں محمد علی جناح کو مدعو کیا' اور ان کے مشورے سے یہ پارٹی' جس کے خاص لیڈر حسین شہید سہروردی تھے' مسلم لیگ میں ضم ہو گئی۔ مسلم لیگ کے صوبائی پارلیمانی بورڈ کے سیکرٹری سہروردی مقرر ہوئے۔

1937ء' فروری کے انتخابات میں بنگال میں مسلم لیگ نے 38 اور فضل الحق کی کرشک پرجا پارٹی نے 39 نشستیں حاصل کیں۔ 37 آزاد ارکان منتخب ہوئے' جن میں سے 21 مسلم لیگ میں

کنونشن منعقد ہوا' جس میں 23 مارچ 1940ء والی ''قرارداد لاہور'' کے بارے میں مخالفین کے پیدا کردہ شکوک و شبہات دور کرنے کے لیے بنگالی لیڈروں نے حسین شہید سہروردی کی قیادت میں' ایک قرارداد پیش کی جو ''قراردادِ دہلی'' کے نام سے مشہور ہے۔ مسلم لیگ کی سرکاری تجاویز' مطالبات اور قراردادوں میں پہلی مرتبہ لفظ ''پاکستان'' استعمال کیا گیا۔ اس قرارداد کے الفاظ (ترجمہ) یہ ہیں:

''ہندوستان کے شمال مشرق میں بنگال اور آسام' اور شمال مغرب میں پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان یعنی پاکستان کے علاقے جہاں مسلمانوں کو غالب اکثریت حاصل ہے' وہاں واحد مقتدر آزاد مملکت کی تشکیل کی جائے اور اس امر کا واضح اعلان کیا جائے کہ پاکستان کا قیام بلا تاخیر عمل میں لایا جائے گا''۔

1940ء کی ''قراردادِ لاہور'' میں ایک سے زیادہ ''آزاد ریاستوں'' کا ذکر تھا۔ 1946ء کی ''قراردادِ دہلی'' میں واحد آزاد ریاست ''پاکستان'' کا ذکر تھا۔ یہ دونوں قراردادیں بنگالی لیڈروں نے پیش کی تھیں۔ 1940ء کی ''قراردادِ لاہور'' اے کے فضل الحق اور 1946ء کی ''قراردادِ دہلی'' حسین شہید سہروردی نے پیش کی تھیں۔

کابینہ مشن نے پاکستان کا مطالبہ نامنظور کیا اور اس کی بجائے ہندو اور مسلم ریاستوں کی یونین کی تجویز پیش کی' جسے کانگریس اور مسلم لیگ نے مان لیا اور دونوں عبوری حکومت میں شرکت پر تیار ہو گئیں۔ اس تجویز کے مطابق ایک گروپ آسام اور بنگال کا بنایا گیا تھا' دوسرا گروپ پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان (موجودہ پاکستان) پر مشتمل تھا' اور تیسرا گروپ باقی ہندوستان کا۔ بعد میں کانگرس کی مجلس عاملہ کابینہ مشن کے منصوبے اور گروپ بندی کی مختلف تشریحات پیش کرنے لگی۔ اس سے قائداعظم کو اختلاف ہوا۔ مسلم لیگ نے بطور احتجاج اپنی منظوری واپس لے لی اور یوم ''راست اقدام'' منانے کا اعلان کر دیا۔

12 اگست 1946ء کو کانگریس نے عبوری حکومت بنائی اور مسلم لیگ نے اس میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ 16 اگست کو یوم ''راست اقدام'' منایا گیا۔ تمام مسلم لیگی لیڈروں نے برطانیہ کے عطا کردہ اعزازات' انعامات' خطابات وغیرہ واپس کر دیئے۔ کلکتے اور نواکھالی میں زبردست ہندو مسلم فساد ہوا۔ پھر فسادات نے بہار کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور بھاگل پور' مونگیر' پٹنہ اور گیا میں مسلمان بڑی تعداد میں ہلاک کر دیئے گئے۔ وائسرائے لارڈ ویول کی یقین دہانی پر 15 اکتوبر کو مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شرکت منظور کر لی' لیکن حالت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ برطانیہ نے جون 1948ء تک ہندوستان چھوڑ دینے کا اعلان کر دیا۔ لارڈ ویول کو واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بھیجا گیا۔ کانگریس نے 3 جون 1947ء کے اعلان کے مطابق ہندوستان کی تقسیم منظور کر لی' لیکن پاکستان کو ہمیشہ کے لیے کمزور کرنے کے لیے بنگال اور پنجاب کو بھی تقسیم کر دیا گیا۔

میں مسلم لیگ کو شکست فاش ہوئی۔ 310 نشستوں میں سے مسلم لیگ کے صرف 10 امیدوار کامیاب ہوئے، باقی امیدوار جگتو فرنٹ کے کامیاب ہوئے۔ عوامی لیگ پہلی مرتبہ مشرقی بنگال میں سب سے بڑی سیاسی جماعت کی حیثیت سے ابھری۔ اس کے 93 نمائندے کامیاب ہوئے۔ عوامی لیگ اور جگتو فرنٹ کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ بنگالی زبان کو بھی اردو کے ساتھ قومی زبان کا درجہ دیا جائے۔ چنانچہ مئی 1954ء میں بنگلہ زبان کو بھی قومی زبان کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا۔

جب تک حسین شہید سہروردی زندہ رہے، اس وقت تک عوامی لیگ میں علیحدگی پسندی کے رجحانات نے زیادہ زور نہیں پکڑا، لیکن دسمبر 1963ء میں ان کے انتقال کے بعد عوامی لیگ کی قیادت شیخ مجیب الرحمٰن کے ہاتھ میں آ گئی جو کٹر بنگالی قوم پرست تھے۔ انہوں نے مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور علیحدگی پسندی کے رجحانات کی کھل کر حمایت کی۔ صدر ایوب خان کی فوجی آمریت کے زمانے میں ان رجحانات کو مزید تقویت ملی اور فروری 1966ء میں شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے مشہور چھ نکات پیش کیے جو بعد میں پاکستان کی تقسیم کا باعث بنے:

1) ملک میں وفاقی نظام قائم کیا جائے۔
2) وفاقی حکومت کے پاس صرف دفاع اور امور خارجہ کے محکمے ہوں۔ باقی امور وفاقی ریاستوں کے پاس ہوں۔
3) ریاستوں کے لیے جداگانہ اقتصادی پالیسی اختیار کی جائے اور مشرقی پاکستان کی کرنسی الگ ہو۔
4) وفاقی حکومت کو ٹیکس لگانے کا اختیار نہ ہو گا۔
5) مشرقی اور مغربی پاکستان کی بیرونی تجارت کے بھی علیحدہ علیحدہ حسابات ہوں گے۔
6) ریاستوں کو نیم فوجی اور علاقائی فوجی دستے رکھنے کا اختیار ہو گا۔

دسمبر 1970ء میں جب عام انتخابات ہو رہے تھے تو ان میں مشرقی پاکستان کی 169 نشستوں میں سے 167 نشستوں پر عوامی لیگ کے امیدوار کامیاب ہو گئے۔ انتخابات میں کامیابی کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے چھ نکات کی بنیاد پر پاکستان کا آئین بنانے کا اعلان کیا، لیکن چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل یحییٰ خان نے مسئلے کو قومی اسمبلی اور مجلس دستور ساز میں طے کرنے کی بجائے مذاکرات سے حل کرنا چاہا، اور جب مذاکرات کامیاب نہ ہوئے تو مشرقی پاکستان میں 25/ مارچ 1971ء کو فوجی کارروائی شروع کر دی۔ لیکن بھارتی حکومت کی فوجی مداخلت اور بھارتی ایجنٹوں ''مکتی باہنی'' کی وجہ سے یہ فوجی کارروائی کامیاب نہ ہو سکی اور 17 دسمبر کو پاکستانی فوجیوں نے بھارت اور مکتی باہنی کی مشترکہ فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ جنوری 1972ء میں پاکستانی وزیراعظم

بے شمار کارخانوں کی مشینیں ہندوستان منتقل کر دیں۔ خصوصی مراعات کی وجہ سے تجارت میں بھارت کو برتری حاصل ہوگئی اور بنگلہ دیش کی معیشت بھارت کی محتاج ہوگئی۔ سازگار فضا دیکھ کر مغربی بنگال کے ہندوؤں نے بھی بنگلہ دیش واپس آنا شروع کر دیا۔

بنگلہ دیش بھارت کی محتاجی میں بے شک گیا' لیکن شیخ مجیب الرحمٰن کو تو ''بنگ بندھو'' کا خطاب مل گیا۔ شیخ صاحب کے سامنے جنگ سے تباہ حال' اقتصادی مشکلات' بھوک اور سیلابوں کے بے شمار مسائل کے علاوہ سیاسی اور انتظامی نوعیت کے مسائل بھی تھے۔ بنگلہ دیشی سکہ ''ٹکہ'' ایک ہی سال میں آدھی قیمت کا رہ گیا۔ قحط اور بدحالی سے ہزاروں بنگالی موت کے گھاٹ اترنے لگے تو عوامی لیگ کی مخالف جماعتیں سرگرم ہوگئیں۔ نیشنل عوامی پارٹی کے صدر مولانا بھاشانی نے نئے انتخابات کا مطالبہ کر دیا۔

5 نومبر 1972ء کو قومی اسمبلی نے نئے آئین کی منظوری دے دی جو 16 دسمبر سے نافذ ہوا۔ نئے انتخابات کی تاریخ مارچ 1973ء مقرر کی گئی۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے والا پہلا ملک سوویت یونین تھا جس نے جنوری 1972ء ہی میں اسے تسلیم کر لیا تھا۔ برطانیہ نے آئندہ ماہ فروری میں تسلیم کیا۔ اپریل 1972ء میں دولتِ مشترکہ کا رکن بن گیا۔ پاکستان نے اُس وقت بنگلہ دیش کو تسلیم نہیں کیا' جب تک شیخ مجیب الرحمٰن نے بھارت پر یہ دباؤ ڈالے رکھا کہ وہ پاکستان کے 93 ہزار جنگی قیدیوں کو روکے رکھے۔

1974ء' 22 فروری کو شیخ مجیب الرحمٰن پاکستان میں اسلامی کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے آئے' جس کے بعد پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو ڈھاکہ گئے' تاکہ بھارت اور بنگلہ دیش کی مشترکہ قید میں محصور 195 محبِّ وطن پاکستانیوں کو رہا کرایا جائے' لیکن ان کی گفتگو ناکام رہی۔

1974ء میں بنگلہ دیش میں زبردست قحط پڑا' جس سے ایک بار پھر ملک میں بے چینی پیدا ہوگئی اور عوامی لیگ اور مجیب الرحمٰن کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں۔ مجیب الرحمٰن نے اس عوامی بے چینی کو سختی سے دبانا چاہا۔ دسمبر 1974ء میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا اور آئینی حقوق معطل کر دیئے گئے۔ آئین میں بھی کئی ترمیمیں کی گئیں۔ ملک میں صدارتی نظام قائم کر دیا گیا۔

1975ء۔ 14 اور 15 اگست کی درمیانی شب کو' جب پاکستان کا اٹھائیسواں یومِ آزادی منایا جارہا تھا' بنگلہ دیش کے چند محبِّ وطن عناصر نے شیخ مجیب الرحمٰن کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ایک ہنگامے میں انہیں پورے اہل خانہ کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔ وزیراعظم منصور علی اور عوامی لیگ کے کئی رہنما جیل میں قتل کر دیئے گئے اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔

فوج نے اس کے بعد ایک اعتدال پسند رہنما مشتاق احمد خوندکر کو صدر بنا دیا۔ چیف آف آرمی سٹاف بریگیڈیئر خالد اشرف نے جوابی انقلاب کی کوشش کی' لیکن 21 اپریل 1977ء کو جنرل ضیاء